مقصدِ
حسین
تالیف
مولانا محمد اسحاق
سلطان العلماء اکیڈمی

اِنْ کَـــان ذَنْبِـــیْ حُـــبُّ آلِ مُـــحـــمّـدٍ
فَـــذَالِكَ ذَنْـــبٌ لَسْـــتُ عَـــنْـــهُ اَتُـــوبُ

گزرے ہیں اس جہان میں ایسے بھی کچھ شہید
مقتول تا ابد رہا قاتل نہیں رہا

فہرست

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

محقق العصر مولانا محمد اسحاق حفظہ اللہ

فیصل آباد کے علمی حلقوں میں جس عظیم المرتبت عالم دین کے علم و تحقیق شہرہ ہے اسے لوگ مفتی محمد اسحاق کے نام سے جانتے ہیں۔ان کی ذہانت و فطانت وسعت مطالعہ تحقیق،مسائل میں درک علم دوستی اخلاص،نیکی اور اسلام کے لئے بے پناہ تڑپ کے چرچے زبان زد عام ہیں۔بلاشبہ انہوں نے اپنی تحقیق اور علم سے راہ راست سے بھٹکے ہوئے لوگوں کو صراط مستقیم دکھائی ہے۔یہی وجہ ہے کہ ان کی شخصیت اس دور ظلمت میں مرجع خلائق ہے، لوگ دقیق سے دقیق مسائل میں ان کی طرف رجوع کرتے ہیں اللہ تعالیٰ نے ان کو بہت سی علمی و عملی خوبیوں اور اوصاف و کمالات سے نوازا ہے،ان کے علم اور تحقیق کے اپنے پرائے سب معترف ہیں۔

مولانا صاحب کی یہ بہت بڑی خوبی ہے کہ وہ جس بات کو حق سمجھتے ہیں اس کا اظہار لومۃ لائم کی پرواہ کئے بغیر کر دیتے ہیں۔میں اس نابغہ روزگار عالم دین سے چودہ پندرہ سال سے دوستانہ اور نیاز مندانہ تعلق رکھتا ہوں۔میں نے جب بھی ان کے باب علمی پر دستک دی ان کو مطالعہ اور تحقیق میں مستغرق پایا۔اس نفسا نفسی کے دور میں جب کہ ہر انسان دنیا کے پیچھے دوڑ رہا ہے اور اس فتنہ میں علماء کی جماعت بھی مبتلاء ہے ان کے پاس عوام کے لئے کچھ وقت نہیں ہے مولانا اسحاق صاحب ہی ہیں کہ جو ہمہ وقت لوگوں کو مسائل بتانے میں خوشی محسوس کرتے ہیں اور جو جتنا مشکل سوال پوچھتا ہے اتنا ہی خوش ہوتے ہیں۔

ان کے خطبات جمعہ اور دروس کے اجتماع میں ایک جم غفیر ہوتا ہے جو ان کے ارشادات عالیہ سے مستفید و مستفیض ہوتے ہیں۔انہوں نے اپنے تبحر علمی اور اخلاق حسنہ

سے لوگوں کے قلب و ذہن پر انمٹ نقوش ثبت کئے ہیں۔آئندہ سطور میں ہم اپنے مشاہدے سے مولانا محترم کے متعلق کچھ باتیں قارئین کی نظر کریں گے، ہوسکتا ہے کسی دوست کی طبع نازک پر یہ گفتگو ناگوار گزرے۔غالب کے الفاظ میں

غالب برا نہ مان جو واعظ برا کہے
ایسا بھی کوئی ہے سب اچھا کہیں جسے

ہمارے ممدوح حضرت مولانا مفتی محمد اسحاق صاحب 15 جون 1935ء کو چک نمبر 116/ج۔ب رڑا نا ہلی (چک جھمرہ ضلع فیصل آباد) میں پیدا ہوئے، ان کے والد کا نام منشی اور دادا کا اسم گرامی رانجھا ہے۔ارائیں برادری سے تعلق ہے۔سکول کی ابتدائی تعلیم پرائمری تک قریبی گاؤں دیال گڑھ میں حاصل کی اور میٹرک چک جھمرہ کے ہائی اسکول سے کیا۔جب کہ ایف اے گورنمنٹ کالج یونیورسٹی فیصل آباد سے کیا شروع سے ہی تعلیم میں تیز تھے۔ذہن اخاذ اور رسا پایا تھا۔

اللہ تعالیٰ نے ان کو صلاحیتوں سے خوب بہرہ ور کیا تھا جو پڑھتے ذہن نشین ہوجاتا، سکول کے زمانہ ہی میں انہوں نے دینی تعلیم کی طرف عنان توجہ مبذول کی اور گاؤں ہی کے ایک نیک طینت انسان مولوی نور محمد سے صرف نحو کی کتب سبقاً پڑھیں پھر کچھ کتب منطق، فلسفہ اور دیگر فنون کی کتب چک جھمرہ میں مولانا امداد الحق صاحب سے پڑھیں ۔ان اساتذہ کرام نے مولانا صاحب کو ابتدائی گائیڈ لائن دے دی اس کے بعد مولانا صاحب نے ازخود اپنے طور پر عربی زبان و ادب اور فارسی میں مہارت حاصل کی اور دینی علوم کا مطالعہ شروع کردیا۔ان کی رسائی اصل عربی کتب اور ماٗخذ تک ہوئی تو یہ تحقیقی میدان میں آن وارد ہوئے، وہ دن اور آج کا دن انہوں نے پیچھے مڑ کر نہیں دیکھا۔

عرصہ دراز تک مولانا گاؤں کی مسجد میں جمعہ پڑھاتے رہے، انہوں نے بڑی گہری نظر سے اسلام کا مطالعہ کیا، اسلامی علوم وفنون پر دسترس حاصل کی اور بلاتفریق تمام مسالک فقہی کے علاوہ عیسائیت، یہودیت، قادیانیت وغیرہ کا گہری نظر سے مطالعہ کرکے ان کے

مذاہب سے متعلق معلومات حاصل کیں اور مناظرہ اور مباحثہ سے ان باطل فرقوں کا علمی طور سے مقابلہ کیا۔

1983ء تک وہ گاؤں میں ہی رہے۔16 جولائی 1983ء کو فیصل آباد کے عظیم عالم دین محدث عالی قدر حضرت مولانا محمد عبداللہ جھال والے جدہ میں حرکت قلب بند ہو جانے سے اچانک وفات پا گئے۔وہ علم کا بحر ذخار تھے۔ان میں وہ تمام اوصاف پائے جاتے تھے جو ایک داعی اور عالم دین میں ہونے چاہئیں۔ان کی وفات کے بعد جامع مسجد کریمیہ (محلہ جیلانی پورہ ستیانہ روڈ فیصل آباد) کے متولی میاں عبدالواحد صاحب کو کسی ایسے عالم دین کی تلاش تھی جو مولانا کی جگہ پر کر سکے،اس کا علم بھی پختہ ہو عمل میں بھی مثالی ہو اور جو لوگوں کو خطبہ جمعہ اور درس میں صحیح اسلامی مسائل بتائے۔اب نظر انتخاب پڑی تو انہوں نے مولانا اسحاق صاحب کو مسجد کریمیہ کے منبر پر لا بٹھایا۔

مسجد کریمیہ میاں عبدالواحد پاور لومز والے اور ان کے بڑے بھائی میاں محمد یوسف مرحوم نے 1962ء کے قریب تعمیر کی تھی اور انہوں نے اس وقت مولانا عبداللہ محدث جھال خانو آنہ کو اس مسجد کا خطیب مقرر کیا تھا۔مولانا جس پائے کے عالم تھے احباب جانتے ہی ہیں انہوں نے اس مسجد کی آبادکاری خون جگر سے کی۔

مسجد کریمیہ کو یہ اعزاز بھی حاصل ہے کہ ادارہ علوم اثریہ منٹگمری بازار کا آغاز مولانا عبداللہ صاحب نے اپنے رفیق خاص مولانا اسحاق چیمہ مرحوم کے ساتھ مل کر اسی مسجد کے حجرے میں کیا تھا اور مسجد کریمیہ میں اس دور میں بڑے بڑے شیوخ اور علمی شخصیات جلوہ افروز ہوتی تھیں ان حضرات علماء کرام کے نام یہ ہیں حضرت الامام عبدالستار محدث دہلوی کراچی امام جماعت غرباء اہل حدیث متوفی 1966ء مولانا عبدالجلیل جھنگوی متوفی جون 1976ء میاں محمد باقر، پروفیسر سید ابوبکر غزنوی،مولانا عطاء اللہ حنیف،مولانا محمد حنیف ندوی، مولانا محمد اسحاق بھٹی،حضرت مولانا صوفی عبد اللہ ماموں کانجن والے،مفتی عبدالقہار سلفی کراچی،مولانا عبدالغفار سلفی کراچی،مولانا عبدالرحمٰن سلفی امیر جماعت غرباء

اہل حدیث کراچی۔

مولانا اسحاق صاحب جب گاؤں سے نکل کر فیصل آباد آ گئے اور مسجد کریمیہ کی کے منبر پر انہوں نے دعوت و تبلیغ کا سلسلہ شروع کیا تو ان کی شہرت دور تک پھیل گئی لوگ ان کے مواعظ عالیہ سے متاثر ہوئے اور انہوں نے مولانا کے خطبات جمعہ اور دروس القرآن میں شریک ہونا شروع کر دیا۔ مولانا صاحب 1983ء کے آخر میں مسجد کریمیہ میں آئے تھے آج یہ سطور لکھی جا رہی ہیں، 28 سال کا طویل عرصہ انہیں یہاں خطبہ جمعہ دیتے ہوئے گزر چکا ہے، ان کی تبلیغی مساعی کے اثرات واضح دکھائی دیتے ہیں۔

مولانا بہت پیارے اسلوب میں اپنی بات کو سامعین کے گوش گزار کرتے ہیں۔ خوش گفتار اور نرم مزاج خطیب ہیں دعوت و تبلیغ کے اصول و ضوابط سے پوری طرح آگاہ ہیں حکمت سے گفتگو کرتے اور سلیقے سے اپنی تحقیق پیش کرتے ہیں۔ ان کا خطبہ جمعہ سننے کے لئے بڑے بڑے اسکالرز، پروفیسر اور پڑھے لکھے لوگ آتے ہیں۔ بہت سے لوگوں نے ان کے خطبات جمعہ سے متاثر ہو کر اپنے عقائد کی اصلاح کی اور وہ نمازی روزہ دار اور سنت کے پابند ہوئے۔

مولانا اسحاق صاحب میں بہت سی خوبیاں ہیں۔ ایک خوبی جو ہزار خوبیوں سے بڑھ کر ہے وہ یہ کہ مطالعہ کے از حد رسیا ہیں بڑی سے بڑی کتاب بھی بالاستیعاب چند روز میں پڑھ لیتے تھے ان کی لائبریری قرآنی تفاسیر، حدیث، رجال، فقہ، فتاویٰ، سیرۃ النبی اور مختلف مسائل پر ہزاروں تحقیقی کتابوں سے آراستہ ہے اور ان سب کتب پر انہوں نے اپنے مخصوص انداز سے نشان لگا رکھے ہیں۔ سریع الحفظ ہیں، کوئی مسئلہ پوچھ لیں فوراً کتاب نکال کر حوالہ دکھا دیں گے۔ ان کی لائبریری میں زیادہ کتب عربی کی ہیں، اردو نہ ہونے کے برابر ہیں علامہ ناصر الدین البانی رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیق اور کتابوں کے بڑے شائق ہیں۔ ان کا اوڑھنا بچھونا علم ہے، اہل علم اور طلبہ سے بڑی شفقت فرماتے ہیں۔ کتابیں ہمیشہ خرید کر پڑھتے ہیں اور دوسروں کو مطالعہ کی توجہ دلاتے ہیں۔ ان کی محفل خالص علمی ہوتی ہے اس سے علم کے طالب حظِ وافر اٹھاتے ہیں۔

مولانا محمد اسحاق صاحب ؒ جہاں بلند پایہ محقق اور فصیح اللسان خطیب ہیں وہیں وہ اچھے مناظر اور متکلم بھی ہیں۔ گفتگو کا سلیقہ خوب جانتے ہیں حدیث اور رجال پر نظر گہری ہے۔ مخالف کی دلیل کا جواب حاضر جوابی سے دے کر اسے خاموش کرانا جانتے ہیں۔ اب تک وہ کئی مناظرین سے اچھی اور کامیاب گفتگو کر چکے ہیں۔ ختم نبوت کے متعلق بڑے حساس ہیں اور قادیانیوں کو آڑے ہاتھوں لیتے ہیں۔

ایک بار محلہ مصطفیٰ آباد میں مرزائیوں کے مربی سے حیات مسیح پر گفتگو ہوئی مربی نے کتاب البریہ کا حوالہ دیتے ہوئے کہا کہ آپ کے امام ابن تیمیہ ؒ اور امام ابن قیم ؒ کہتے ہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام مر چکے ہیں مولانا محمد اسحاق صاحب ؒ نے اصل کتاب کا حوالہ دکھا کر فوراً ثابت کیا کہ مرزائی مربی نے جھوٹ بولا ہے اور اس کی یہ بات بالکل غلط ہے۔ امام صاحب اور ان کے شاگرد نے کہیں بھی نہیں کہا۔ مولانا نے مرزائی مربی کی ایسی گرفت کی کہ اسے منہ کی کھانی پڑی۔ ایک بار مولانا محمد اسحاق صاحب ؒ ربوہ چلے گئے اور مرزائیوں کے مربی مبشر احمد کاہلوں سے حیات مسیح پر کامیاب گفتگو کی اور ایسے دلائل دیئے کہ وہ لاجواب ہو گیا۔

بلاشبہ مولانا محمد اسحاق صاحب ؒ کا مطالعہ بہت وسیع ہے انہوں نے ہر مذہب کا گہری نظر سے مطالعہ کیا ہے میرے ایک دوست ہیں پروفیسر ساجد اسد اللہ سمندری کالج میں پڑھاتے ہیں وہ مولانا عطاء اللہ شہید (متوفی 1947ء) کے پوتے مولانا داؤد صاحب سمندری والے کے بیٹے حافظ سلیمان صاحب کے بھتیجے اور ڈاکٹر خالد ظفر اللہ کے چھوٹے بھائی ہیں۔ عیسائیت کے موضوع پر انہوں نے پی ایچ ڈی کی ہے۔ کچھ عرصہ پہلے انہیں عیسائیت کے متعلق ایک مسئلہ میں اشکال پیدا ہوا بڑے بڑے اہل علم کی طرف رجوع کیا لیکن مسئلہ حل نہ ہوا۔ آخر وہ مولانا محمد اسحاق ؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے مولانا نے سوال سنتے ہی اپنے وسعت مطالعہ سے فوراً مسئلہ کا شافی جواب دے کر ساجد صاحب کو مطمئن کر دیا۔

مولانا محمد اسحاق صاحب ﷺ کا جس قدر علم اور مطالعہ وسیع ہے اتنا ہی ان کا ظرف بھی وسیع ہے۔ وہ نہایت خلیق ملنسار مہمان نواز اور عجز وانکساری کا پیکر ہیں۔

مولانا محمد اسحاق صاحب ﷺ بڑے عاجز اور صابر عالم دین ہیں، دوسروں کی ستم ظریفیوں کے باوجود ان سے خندہ پیشانی سے ملتے ہیں، اپنے سے بڑوں کا احترام اور چھوٹوں پر شفقت فرماتے ہیں۔ ہر کسی کے دکھ درد میں شریک ہوتے ہیں، رقیق القلب ہیں، ضرورت مندوں کی مدد اپنا فرض سمجھتے ہیں۔ وحدت امت کے داعی ہیں، اہل بیت اطہارؑ سے بے پناہ محبت ہے۔ میری خوش بختی کہ اس عاجز کے مشفق ومہربان ہیں۔

مولانا محمد اسحاق صاحب ﷺ خالص علمی وتحقیقی آدمی ہیں ہمہ وقت پڑھتے رہتے ہیں تصنیف کی طرف زیادہ توجہ نہیں دے سکے البتہ ان کے بعض علمی خطبات جوزیور طباعت سے آراستہ ہو چکے ہیں اس کی تفصیل یہ ہے۔

(۱) وحدت امت مولانا کا یہ رسالہ اتحاد واتفاق کے مسائل پر مشتمل ہے۔ اس میں انہوں نے امت مسلمہ کے افراد کو یہ دعوت دی ہے کہ وہ مسلمان ہونے کے ناطے بھائی بھائی بن کر رہیں اور خواہ مخواہ ایک دوسرے کی تکفیر نہ کریں اپنے مؤقف کی تائید میں انہوں نے ہر مسلک کی کتابوں سے دلائل دیئے ہیں۔

(۲) لبیک یہ کتابچہ مولانا کے خطبہ جمعہ پر مشتمل ہے اس میں لفظ لبیک کی تشریح وتوضیح کی گی ہے۔

(۳) صداقت قرآن اس رسالہ میں غیر مسلموں کے قرآن مجید پر اعتراضات کے جوابات دیئے گئے ہیں اور قرآن کی عظمت کو بیان کیا گیا ہے۔

حافظ محمد رمضان یوسف سلفی

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اِحیاءخلافتِ راشدہ

مرے کدو کو غنیمت سمجھ کہ بادۂ ناب
نہ مدرسہ میں ہے باقی نہ خانقاہ میں ہے

جناب سید عالم فخرِ بنی آدم حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وعلیٰ سائرالانبیاء والمرسلین کا اصل کارنامہ یہ نہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اللہ کی پوجا کرنے والے کچھ درویش پیدا کئے۔ یہ کام اس سے پہلے بھی راہب لوگ کرتے رہے۔ وہ دنیا چھوڑ کر غاروں میں چلے جاتے تھے۔ مگر اللہ کے رسول علیہ السلام اس لیے نہیں آئے تھے۔ آپ علیہ السلام نے سب سے بڑا کام یہ کیا کہ دنیا میں حکومتِ الٰہیہ قائم کی اور ایک ایسی حکومت سے لوگوں کو روشناس کرایا، جس سے لوگ پہلے متعارف نہیں تھے۔

لوگ جانتے تھے کہ جو حکومت کرتے ہیں وہ بادشاہ ہوتے ہیں، ان کے محلات ہوتے ہیں، ریشمی فرش بچھے ہوتے ہیں، پہرے دارے ہوتے ہیں، وہ سونے چاندی کے برتنوں میں کھانا کھاتے ہیں، ہر ماہ لاکھوں کروڑوں خرچ کرتے ہیں اور ملکی خزانہ ان کی ذاتی جاگیر ہوتی ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آ کر دنیا میں وہ کارنامہ سرانجام دیا کہ جس کی کوئی نظیر نہیں ملتی۔ آپ علیہ السلام نے بادشاہت کو ختم کیا اور خلافت کو قائم کیا۔ آپ علیہ السلام نے ایسے لوگ پیدا

کئے کہ سفیر روم جب خلیفۃ المسلمین حضرت عمرؓ سے ملنے آیا تو آپ اس وقت بیت المال کے اونٹ چرانے گئے ہوئے تھے۔ وہ وہاں چلا گیا تو دیکھا کہ تپتی دوپہر میں گرم ریت پر لیٹے ہیں اور بازو سرہانے رکھے سورہے ہیں۔ وہ حیران رہ گیا کہ یہ کیسا حکمران ہے؟ کہ جس کا کوئی پہرہ دار نہیں، کوئی دربار نہیں! لیکن ہمارے بادشاہ اس کا نام سن کر کانپتے ہیں۔ جب اس نے کہا کہ آپ اونٹ چرانے کیلئے کسی غلام کو بھیج دیتے تو فرمایا ''حکومت کا بوجھ تو میں نے اٹھایا ہوا ہے اس کا حساب بھی میں نے ہی دینا ہے تو پھر غلام کو کیوں بھیج دیتا۔''

یہ نقشہ اس کائنات میں لوگوں نے کبھی نہیں دیکھا۔ خود جناب سرورِ کائنات علیہ السلام، جن سے بڑھ کر اللہ تعالیٰ نے کوئی وجود پیدا نہیں کیا اور نہ ان جیسا کوئی اور آئے گا، اپنے لیے کوئی امتیاز نہیں چاہتے تھے، نہ کوئی الگ مسند تھی بلکہ عام نمازیوں میں مل کر بیٹھے ہوتے تھے۔ اگر کوئی نو وارد آتا تو اسے پوچھنا پڑتا کہ تم میں سے اللہ کا رسول کون ہے؟ حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ آپ علیہ السلام نے اس بات کو بھی پسند نہ فرمایا کہ تشریف آوری پر لوگ اٹھ کر کھڑے ہو جایا کریں۔

یہ نظارہ بھی اس دنیا نے دیکھا کہ خلیفۃ المسلمین حضرت عمرؓ جمعہ کیلئے دیر سے آئیں اور لوگ کہیں کہ امیر المومنین! آپ نے ہمیں پریشان کیا۔ فرمایا کُرتا دھو کر سکھانے میں دیر ہوگئی۔ اگر اس کے سوا کوئی اور کُرتا ہوتا تو میں اسے دھونے کے لیے دے آتا اور وہ پہن کر آجاتا۔ میرے پاس یہی ایک کُرتا ہے، لوگوں نے دیکھا کہ اس کُرتے پر بھی آٹھ پیوند لگے ہوئے تھے۔

یہ ہے وہ کارنامۂ رسالت! جو کوئی اور کر کے دکھا نہیں سکا۔ نمازیں پڑھنے والے، ریاضت کرنے والے، خشک عبادت گزار اور جوگی بہت ہوئے ہیں۔ انہوں نے ایسی ایسی عبادت کی ہماری عبادت ان کے سامنے کچھ بھی نہیں، مگر سب بیکار ہے۔ مزا تو تب ہے کہ تم حکمران ہو، خزانے تمہارے قدموں میں ہوں، فوجیں تمہارے اشارہ کی منتظر ہوں، مگر تم پھر بھی یہ سمجھے کہ میں بادشاہ نہیں ہوں کہ جو جی چاہے کروں بلکہ میں تو اللہ تعالیٰ کا نائب

ہوں، وہاں سے حکم تو آئے گا، میں تو صرف نافذ کرنے والا ہوں۔ میں مسلمان امت کا خادم ہوں اور ان کے نمائندہ کے طور پر ان کے مشورہ کے بغیر کچھ نہیں کروں گا۔ یہ وہ اعلیٰ نظام تھا جو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے دنیا کو دیا مگر ہماری بدقسمتی کہ وہ خلافت اپنا رستہ بھول گئی اور پہلی صدی کے مسلمانوں کو ہی بادشاہت سکھادی۔ وہی محل بن گئے، ریشمی فرش بچھ گئے، سونے چاندی کے برتنوں میں کھانے شروع ہوگئے، دربان کھڑے ہوگئے اور اپنے چیلے چانٹوں کو بیت المال سے لاکھوں کروڑوں دینا شروع کردیئے۔ وہی شاہی بے اعتدالیاں شروع ہوگئیں۔ بقول اقبال رحمۃ اللہ علیہ

عرب خود را بنورِ مصطفیٰؐ سوخت
چراغ مردهٔ مشرق بر افروخت
ولیکن آں خلافت راہ گم کرد
کہ اول مومناں را شاہی آموخت

یہ وہ قیامت تھی جس سے بڑی قیامت اسلام پر کوئی نہیں آئی۔ جب یہ قیامت آرہی تھی امت کی زبانیں گنگ کردی گئیں تھیں اور ان کے ہاتھ باندھ دیئے گئے تھے، تو اس وقت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا وارث، امام حسین علیہ السلام ہی میدان میں آئے۔ اگر اسلام میں سے حسین علیہ السلام کو نکال دیا جائے تو اسلام کسی شے کا نام نہیں۔ انہوں نے اپنا احتجاج نوٹ کرادیا کہ جو ہورہا ہے غلط ہورہا ہے۔

یہ درست ہے کہ ہوتا پھر بھی وہی رہا اور اُس طوفان کا راستہ نہ روکا جاسکا۔ اور بہتر (72) ساتھیوں کے ساتھ روکا جا بھی نہیں سکتا تھا...... جبکہ امام یہ بھی جانتے تھے کہ میرے والد علی علیہ السلام، جو پورے عالمِ اسلام کے خلیفہ تھے، ان کو بھی لوگوں نے اپنی چالاکیوں سے بے بس کردیا، میرے بھائی حسن علیہ السلام کو بھی حکومت چھوڑنا پڑی تو اب میری مدد کیلئے کون سے لوگ آئیں گے؟ نہ کوئی مدد کرنے والا تھا اور نہ وہ اس ارادہ سے نکلے تھے۔ ناانصافی پر مبنی اکثریتی فیصلہ کو ایک جج بدل تو نہیں سکتا لیکن یہ ضرور ہے کہ اختلافی

نوٹ دے کروہ تاریخ میں زندہ ہو جاتا ہے۔

گزرے ہیں اِس جہان میں ایسے بھی کچھ شہید
مقتول تا ابد رہا، قاتل نہیں رہا

جہاں خدا اور رسول ﷺ کے دشمن دنیا میں موجود ہیں تو امام حسین علیہ السلام کے دشمنوں کی موجودگی کا کیا گِلہ! مگر امام حسین علیہ السلام زندہ رہے گا۔ دشمن اپنی موت مرتے رہیں گے، مگر وہ زندہ ہیں۔

یاد رکھو! اسلام حکومت کے سوا کسی چیز کا نام نہیں ہے۔ اگر اہل حق کی حکومت نہ ہو تو قرآن معطل ہو کر رہ جائے گا اور شریعت پر عمل نہ ہو سکے گا۔ اسلام میں حکومت دنیاوی دھندا نہیں ہے نہ یہ اقتدار کا لالچ ہے بلکہ یہ اللہ کی کتاب کی خدمت ہے۔ جب نیک حکمران ہوں گے تو زمین عدل وانصاف سے بھر جائے گی۔

دین کا ایک باب امام حسین علیہ السلام کے والد محترم سیدنا علی علیہ السلام نے مکمل فرمایا کہ خلیفہ برحق سے مسلمان بغاوت کر دیں تو ایسی صورت میں کیا کرنا چاہئے اور اگر حسین نہ ہوتے تو مسلمانوں کو یہ پتہ نہ چلتا کہ مسلمان حکومت بگڑ جائے تو اسکا کیا علاج کیا جائے۔ اس بارے میں پیشوا حسین علیہ السلام ہی ہیں۔

امام حسین علیہ السلام کو نہ سمجھنے کا نتیجہ ہے کہ جو بھی، کسی بھی طریقہ سے اقتدار پر قابض ہو جائے، لوگ اسے تسلیم کر لیتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ جب تک وہ کافر نہ ہو جائے اور کفر کا اعلان نہ کر دے اُس وقت تک سر تسلیم خم رکھو، چاہے کیسا ہی بد کردار اور ظالم کیوں نہ ہو۔ اس طرح امت کو بے غیرت بنا دیا گیا اور یہ سارا نتیجہ ملوکیت کا ہے۔

ماسِوی اللہ را مسلماں بندہ نیست
پیش فرعونے سرش افگندہ نیست
تیغ بہرِ عزتِ دین است و بس
مقصدِ او حفظِ آئین است و بس

خونِ او تفسیرِ ایں اسرار کرد
ملتِ خوابیدہ را بیدار کرد

اس غلط بات کو حسین علیہ السلام نے ردّ کیا۔ انہوں نے بتایا کہا گرتم حکومت تبدیل نہیں کرسکتے تو اس کو بالحق (DEJURE) حکومت نہ مانو بلکہ یہ کہو کہ اس کی بالفعل (DEFACTO) حکومت ہے۔جس نے تخت پر قبضہ کرلیا ہے، وہ غاصب اور ظالم ہے۔ جب بھی مسلمانوں کو طاقت حاصل ہو، اس سے حکومت چھین لیں۔

نہ ہو مذہب میں گر زورِ حکومت
تو وہ کیا ہے؟ فقط اِک فلسفہ ہے

نماز روزہ سکھوں اور انگریزوں نے بھی اپنی حکومت میں بند نہیں کیا۔ اگر دین صرف اتنا ہی ہے تو یہ باقی رہے گا چاہے دہریئے حکومت کریں۔ اور اگر دین وہ ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لے کر آئے تھے تو وہ اس وقت مفلوج کر دیا گیا تھا اور یہ کسی اور نے نہیں بلکہ امیر معاویہ نے کیا۔ یہ امام حسین علیہ السلام کے اختلافی نوٹ کی برکت ہے کہ ایک بھی عالم اہل سنت اور اہل حدیث میں سے ایسا نہیں ہوا جو امیر معاویہ کو خلیفہ راشد کہہ سکے۔ وہ مسلمانوں کے حکمران تھے اور بس! حالانکہ وہ صحابی تھے، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے برادرِ نسبتی ہیں، مگر سب علماء نے لکھا کہ ان کی حکومت غیر اسلامی تھی وہ مسلمانوں کی حکومت ضرور تھی مگر اسلامی حکومت نہیں تھی۔ اہل حدیث عالم مولانا محمد شفیق خاں پسروری نے ''اسلام اور جمہوریت'' نامی کتاب لکھی ہے۔ اس کے ص: 158,157 پر دورِ رسالت میں دی گئی آزادیٔ رائے کے بارے میں انہوں نے مولانا ابوالکلام آزاد رحمۃ اللہ علیہ کا ایک اقتباس لکھا ہے۔جس سے اندازہ ہوگا کہ ملوکیت نے ہم سے کیا نعمت چھین لی ہے۔

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ صحابہ میں سے بڑے علم والے تھے۔ یمن کے گورنر اور قاضی بھی رہے، حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کی تشریح اور اسلامی خلافت کی اصل تصویر قابل غور ہے۔ وہ روم کے دربار میں سفیر بن کر گئے تھے۔ رومی سردار نے ان کو قیصر کے جاہ و جلال سے

مرعوب کرنا چاہا مگر جن کے دل میں جلال خداوندی کا نشیمن ہو، ان کی نظر میں طلسم زخارف دنیا کی کیا وقعت ہوسکتی ہے؟ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے امیر عرب کے اختیارات کی جن الفاظ میں تصویر کھینچی وہ حسب ذیل ہے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''ہمارا امیر ہم میں سے ایک آدمی ہی ہے۔ اگر وہ اللہ کی کتاب کے مطابق چلے گا اور سنت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر چلے گا تو ہم اس کو حکومت پر برقرار رکھیں گے۔ اگر ان سے ہٹے گا تو کان سے پکڑ کر اُتار دیں گے۔ اگر وہ چوری کرے گا تو ہم اس کا ہاتھ کاٹ دیں گے۔ اگر وہ زنا کرے گا تو کوڑے ماریں گے۔ اگر وہ کسی آدمی کو گالی دے گا تو رعایا کا ادنیٰ آدمی برابر کی گالی دے گا۔ اگر وہ کسی کو زخمی کرے گا تو اپنی جان سے اس کو بدلہ دینا پڑے گا۔ وہ ہم سے پردے میں چھپ کر نہیں بیٹھے گا اور وہ ہم سے متکبر نہیں بن سکے گا۔ جو مال غنیمت ہے اس میں سے رائی برابر دوسروں سے زیادہ نہیں لے سکتا، اس کو اتنا ہی ملے گا جتنا ایک آدمی کو حصہ ملے گا۔'' (بحوالہ فتوح الشام ازدی)

نہ ظلم کن بہ کسے نَے بہ زیرِ ظلم برو
ہمیں مرامِ حسینؑ است و منطق دیں است

یہ تحفہ تھا جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دنیا کو دیا، جو پہلے ملا تھا نہ بعد میں باقی رہنے دیا گیا۔ لوگ تصور بھی نہیں کر سکتے تھے کہ خلیفہ کا کوئی محل ہو، پہرے دار ہوں یا وہ جلوس بنا کر سفر کرے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اور کیا معجزہ چاہیے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مٹی کے بنے ہوئے انسانوں کو فرشتوں سے بڑھ کر بنا دیا، اسلام میں ایسا حکمران درکار ہے جو اپنے وقت کا سب سے بڑا ولی ہو اور سب سے طاقتور حکمران ہو۔ اس کے ہوتے ہوئے کسی اور مرشد سے بیعت کی ضرورت نہیں پڑتی۔ اس سے بڑھ کر خدا تک پہنچانے والا اور کون ہوتا ہے؟

حکمران میں یہ دو صفات حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جمع فرمائیں اور فرمایا کہ قیامت کے دن سب سے بڑا انعام امام عادل کو اور سب سے بڑی سزا ظالم حکمران کو ملے گی۔ اس دن جو

سات گروہ خدا کے عرش کے سایہ تلے ہوں گے، جبکہ خدا کے عرش کے سوا کوئی سایہ نہ ہوگا۔ ان میں سے پہلا امام عادل ہے۔

اقتدار کی جنگ کا طعنہ دینے والوں کو معلوم ہو کہ اقتدار کی جنگ تو شروع سے انبیاء کرام علیہم السلام کفار سے لڑتے رہے ہیں تا کہ اقتدار بدمعاشوں کے پاس نہ رہے۔ اقتدار اور اسلام جڑواں بھائی ہیں۔ اگر دین کو سیاست سے الگ کر دیا جائے تو باقی سوائے ظلم کے کچھ نہ رہے گا۔ اقتدار اور اسلام میں کوئی بھی درست نہ رہے گا اگر دوسرا ساتھ نہ ہو۔

ابوالکلام حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کا واقعہ لکھنے کے بعد فرماتے ہیں:

> ''ان الفاظ کو غور سے پڑھو۔ کیا اس سے واضح تر، اس سے روشن تر، اس سے صحیح تر اور اس سے موثر تر الفاظ میں جمہوریت کی حقیقت ظاہر کی جاسکتی ہے۔ کیا حکومت عام کی اس سے بہتر نوعیت ہوسکتی ہے۔ کیا مساوات نوعی اور عدم تفوق اور ترجیح افراد کی اس سے بہتر مثال تاریخ عالم پیش کر سکتی ہے۔ اللہ بنو اُمیہ سے انصاف کرے جنہوں نے اسلام کی اس مقدس تصویر مساوات کو اپنی کثافت سے ملوث کر دیا اور اس کی بڑھتی ہوئی قوتیں عین دورِ عروج میں پامال اور مفاسدِ استبداد ہو کر رہ گئیں۔''

سیدنا امام حسین علیہ السلام ظالم حکمرانوں کے لیے موت ہیں کیونکہ بقول اقبال:

تا قیامت قطع استبداد کرد
موج خون او چمن ایجاد کرد

تاریخ میں جہاں بھی کسی انقلابی تحریک کا ذکر آئے گا وہاں امام حسین علیہ السلام کا حوالہ بھی ساتھ ہی ملے گا۔ لوگ اٹھے ہی اس لیے کہ ایک طرف مصلحت ہے، دوسری طرف عشق ہے کہ جان دے دو مگر اعلیٰ اقدار اور اصول تباہ نہ ہونے پائیں۔

دنیا میں اس سے بڑھ کر حادثہ شاید ہی کوئی پیش آیا ہو کہ جس دین نے قیصر و کسریٰ کی حکومت کو برباد کیا۔ اس کے ماننے والے چند سال بعد خود ملوکیت کے تخت پر بیٹھ گئے۔

خود طلسمِ قیصر و کسریٰ شکست
خود سرِ تخت ملوکیت نشست

اس سے اتنی بڑی تبدیلی آئی کہ کہ پورا دین غیر موثر ہو کر رہ گیا۔ ملوکیت کو آپ چھوٹی بیماری نہ سمجھیں۔ اس سے علماء وامراء سمیت سب کچھ بدل جاتا ہے۔ کیوں کہ ملوکیت سے نقطہ نگاہ ہی بدل جاتا ہے اور سارا دین چوپٹ ہو کر رہا جاتا ہے۔

از ملوکیت نگاہ گردد دگر
عقل و ہوش و رسم و راہ گردد دگر

امت کی نگاہ بدل گئی اور لوگ بے بس ہو گئے۔ یہی آج تک ہوتا رہا ہے اور ہو رہا ہے۔ جو برسر اقتدار آتا ہے لوگ اسی وقت اسے سلام کرنا شروع کر دیتے ہیں اور پرانے ساتھی کو فوراً چھوڑ دیتے ہیں۔ وہ اس طرز عمل کو مصلحت پسندی، عملیت پسندی اور زمینی حقائق کا نام دے دیتے ہیں۔

تسلط کو بھی جائز قرار دے دیا گیا

اس جبر کے نتیجہ میں نظریہ ضرورت وجود میں آیا اور تسلط اور قبضہ کو حکومت حاصل کرنے کا جائز ذریعہ قرار دے دیا گیا۔ پہلے تو اپنا ذہن صاف کر لیں کہ "اسلام والسلطان اخوان توأمان"، یعنی اسلام اور طاقت دونوں جڑواں بھائی ہیں۔

سمجھ میں نکتۂ توحید آ تو سکتا ہے
ترے دماغ میں بت خانہ ہو تو کیا کہئے

ہم نے دورِ غلامی و ملوکیت میں پرورش پائی ہے، اس لیے ہمارے ذہنوں میں یہ بات بیٹھ گئی ہے کہ جس کو تخت ملتا ہے وہ مقدس ہی ہے۔ اس کو تخت اللہ نے دیا ہے لہٰذا ہم لوگوں کا کام بس سر جھکانا ہے۔ یہی بت پرستی ہے۔ یہاں یہ بات دلچسپی سے خالی نہ ہوگی کہ آٹھ بڑے ہندو دیوتاؤں میں سے ایک بادشاہ وقت بھی ہے جس کی پوجا کی جاتی ہے۔ اگر وہی کام اہل توحید کریں تو کیا اس کی سنگینی کم ہو جائے گی؟

امت کی نگاہ بدل گئی اور لوگ بے بس ہو گئے۔ یہی آج تک ہو رہا ہے۔ جو برسرا قتدار ہوتا ہے۔ لوگ اسی وقت اس کو سلام کرنا شروع کر دیتے ہیں اور پرانے ساتھیوں کو چھوڑ دیتے ہیں یہ ملوکیت (بادشاہت) کی وجہ سے ہے۔ اس کا اثر ہے کہ دو مسئلوں پر بدقسمتی سے علماء کی اکثریت کی اتفاق ہو گیا۔ ایک یہ کہ جس کو لوگ اپنی آزاد مرضی سے حکمران منتخب کریں وہ بھی حکمران ہے اور دوسرے یہ کہ جو تلوار کے زور پر اقتدار پر قبضہ کر لے (تَغَلّبُ) اور اس کا حکم چلنا شروع ہو جائے وہ بھی جائز حکمران بن جاتا ہے اور اب اس کے خلاف کچھ نہیں سوچا جا سکتا۔

ماسوی اللہ را مسلماں بندہ نیست
پیش فرعونے سرش افگندہ نیست
تیغ بہر عزتِ دیں است و بس
مقصد اُو حفظ آئیں است و بس
خوں اُو تفسیر ایں اسرار کرد
ملتِ خوابیدہ را بیدار کرد

یہ ملوکیت کی برکت ہے کہ جو بدترین جرم تھا یعنی غصب، وہ جائز قرار دے دیا گیا۔ پھر اس کے علاوہ دوسرا ظلم وہ علماء یہ کرتے ہیں کہ جتنی روایات جائز حکمران کے حق میں تھیں وہ اس ظالم، غاصب کے حق میں استعمال کرتے ہیں کہ ایسے حکمران کے خلاف جو بغاوت کرے گا وہ جماعت سے نکل جائے گا، وہ دوزخی ہو گا اور جو خلیفہ بننے کے بعد گڑبڑ ڈالنا چاہے اس کو قتل کر دو۔ اس ایک ترکیب سے پورا دین برباد ہو گیا۔ ظالم حکمران بن گئے اور نظریہ ضرورت ایجاد کر لیا۔

ان غلاموں کو شکایت ہے کہ ناقص ہے کتاب
کہ سکھاتی نہیں مومن کو غلامی کے طریق

یاد رکھو! یہ سب احادیث تو صرف اور صرف صحیح خلیفہ کیلئے تھیں، جس کو امت نے اپنی

آزادمرضی سے چنا ہو،اور تم ان کو ان ظالموں کے حق میں برت رہے ہو۔جس کا تختہ الٹنا امت پر فرض تھا تم نے اس کے حق میں الٹا احادیث پیش کرنا شروع کردیں۔یہ سارا نتیجہ ملوکیت کا ہے۔جب ظالم بادشاہ آنے شروع ہوجاتے ہیں، پھر لوگوں کا نقطۂ نگاہ بدل جاتا ہے اور لوگ اس کو مصلحت پسندی، عملیت پسندی اور زمینی حقائق کا نام دے دیتے ہیں۔اس کو دانائی سمجھا جاتا ہے کہ جو آئے اس کا ساتھ دو اور فائدے حاصل کرو، اس طرح امت برباد ہوتی ہے۔لوگ ظالم کے منہ پر حق کہنے کی بجائے بک جاتے ہیں۔

لہٰذا جب تک دو مسئلے واضح نہ ہوں گے، بات نہیں بنے گی۔

1۔ خلیفہ کون ہوتا ہے۔جو بیٹھ جائے وہی خلیفہ ہے یا جس کو امت اپنی آزادمرضی سے چنے وہ خلیفہ ہوتا ہے۔

2۔ جس حکمران کے خلاف بغاوت منع ہے وہ آزادمرضی سے چنا ہوا حکمران ہے یا وہ ظالم جو زبردستی یا سازش سے حکومت پر قبضہ کرلیا ہو۔

اس موضوع پر ایک کتاب جو عربی زبان میں چھپی ہے، حرف آخر ہے۔اس کے مصنف محمد خیر ہیکل ہیں اور کتاب کا نام ''الجہاد والقتال'' ہے جو تین جلدوں میں ہے۔مصنف نے اوزاعی یونیورسٹی سے ڈاکٹریٹ کرنے کیلئے یہ مقالہ لکھا تھا اور اس پر PH.D کی ڈگری دیتے وقت استادوں نے کہا کہ اگر PH.D سے آگے کوئی ڈگری ہوتی تو ہم وہ دیتے۔اس کتاب میں مصنف نے ایک فصل 35 صفحوں کی صرف اس بات پر لکھی ہے کہ بغاوت سے منع کرنے والی تمام احادیث کا تعلق جائز حکمران سے ہے۔

(الجهاد و القتال فی السياسة الشرعية ،ج:1، ص :167تا202)

اسلام میں سب سے اہم بات صحیح سربراہ کا انتخاب ہے۔دین میں اس کیلئے امام کا لفظ ہے۔امام عربی زبان میں اس دھاگہ کو کہتے ہیں جو معمار دیوار سیدھی رکھنے کیلئے اس کے دونوں سروں پر باندھ دیتے ہیں۔اگر امام (حکمران) ٹیڑھا ہوگیا تو پوری امت ٹیڑھی ہو جائے گی کیونکہ اس کے پاس بیشمار وسائل از قسم ذرائع ابلاغ، عدالتیں، سکول، کالج، فوج

وغیرہ ہوتے ہیں، لوگ ہزار جتن کریں، وہ سارا نظام بدل دے گا۔ وہ ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھا ہوا ہے، گاڑی اُدھر جائے گی جدھر وہ لے جانا چاہے گا۔

ملوکیت کی برکت سے بات یہاں تک پہنچ گئی کہ علماء نے لکھنا شروع کر دیا کہ مُتغلّب (زبردستی حکمران بن جانے والا) بھی خلیفہ ہے۔ حتیٰ کہ اس سے آگے بحث شروع کردی کہ وہ نیک ہونا بھی ضروری نہیں اگر فاسق وفاجر بھی ہے تو کوئی بات نہیں، اگر وہ کفر کا علانیہ اظہار نہیں کرتا تو چاہے وہ شراب پیئے، زنا کرے، جو جی چاہے کرے، تب بھی خلیفہ ہے۔ غور کریں جس کرسی پر رسول اللہ ﷺ بیٹھتے تھے، اس پر ایسوں ایسوں کو بٹھا دیا۔ حالانکہ خلیفہ کا معنی نائب رسول ﷺ ہے کہ دینی ودنیاوی پیشوائی کا جو کام رسول کریم ﷺ کرتے تھے، وہ بھی یہ سارے کام کرے۔

علامہ رشید رضا مصری جو تفسیر "المنار" کے مؤلف اور مصر میں سلفیت کو سب سے زیادہ زندہ کرنے والے تھے، وہ اپنی کتاب "الخلافة ۔ الا مامة العظمیٰ" میں لکھتے ہیں کہ جن لوگوں نے اس امت کو برباد کیا اور دین کا ستیاناس کیا۔ ان میں سے پہلی جماعت بنوامیہ کی ہے۔ جب ہم بنوامیہ کہتے ہیں تو اس سے مراد سارا قبیلہ نہیں ہوتا۔ ان میں سے بھی اچھے لوگ ہوئے ہیں۔ جیسے حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ، جو پانچویں خلیفہ راشد ہیں۔ وہ باقی بنوامیہ کی طرح لالچی نہیں تھے۔ اگر ان کے بس میں ہوتا اور ان کو زہر نہ دیا جاتا تو وہ ضرور حضرت علی علیہ السلام کی اولاد کو خلافت دے دیتے۔

آگے لکھتے ہیں کہ دین کی بربادی کرنے والا مولویوں کا یہ مسئلہ ہے کہ جباروں اور باغیوں کی حکومت ماننا بھی شرعاً واجب ہے۔ جیسے امت کے ارباب حل وعقد کے مشورہ سے چنا جانے والا خلیفہ صحیح ہے اسی طرح زبردستی حکومت پر قبضہ کرنے والا بھی صحیح ہے۔ امیر معاویہ نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی طرف سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی نامزدگی کو بہانہ بنا کر مسلمانوں کی ناک رگڑی اور اپنے فاسق وفاجر بیٹے کو ڈنڈے کے زور پر خلیفہ بنا دیا۔ امیر معاویہ وہ پہلا شخص ہے جس نے اسلام میں برے طریقے کا آغاز کیا اور طاقت اور

رشوت کے زور پر کیا۔ اگر تھوڑی بہت مزاحمت ہوئی جو قابل ذکر ہے، تو وہ حجاز میں ہوئی۔ پھر معاویہ نے یزید کی بیعت لینے کے لیے مکہ کا رُخ کیا اور اس سلسلہ میں عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ، عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ، عبدالرحمٰن بن ابو بکر رضی اللہ عنہ، اور امام حسین علیہ السلام سے بھی کہا کہ تم بھی یزید کی بیعت کرو۔ انہوں نے مخالفت کی اور کہا شوریٰ نہ ہوئی تو ہم نہ مانیں گے۔ امیر امیر معاویہ منبر پر چڑھ گئے، لوگوں کو بلالیا، ان چاروں کو سامنے بٹھالیا اور ان کے سر پر 2/2 جلاد کھڑے کر دیئے۔ جلادوں کو حکم دیا اگر وہ زبان کھولیں چاہے حمایت میں یا مخالفت میں تم فوراً گردن اڑا دینا۔ پھر معاویہ نے اعلان کیا کہ یہ ساری اُمت کے سردار لوگ ہیں۔ انہوں نے یزید کی بیعت کر لی ہے۔

بنوامیہ کا وہ گناہ جو معاف نہیں کیا جا سکتا، اسلام کے طریقہ شوریٰ بذریعہ حل وعقد کو اس قاعدہ سے بدل دیا کہ طاقت حق پر غالب ہے۔ انہی ظالموں نے دین کے قاعدہ کو تباہ کر دیا اور بعد میں آنے والے اس پر عمل کرتے رہے۔

دین اسلام کو برباد کرنے میں سب سے بڑا حصہ اس بات کا ہے کہ ایسی حکومت کو بھی جائز کہا گیا جو متغلب اور متسلط قائم کرے یعنی جو شخص آئین توڑ کر زبردستی حکومت سنبھالے اور قبضہ کر لے، اس کی حکومت کو جائز صورت مان لیا گیا۔ یہ وہ پہلی اینٹ ہے جس نے سارا دین ٹیڑھا کر دیا۔ دین اسلام میں حکمران کے صحیح ہونے کی صرف ایک صورت ہے اور وہ شوریٰ ہے، ولی عہدی یا استخلاف دین میں نہیں۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کا حوالہ بالکل غلط دیا جاتا ہے۔ ایک تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان کے رشتہ دار نہیں تھے، دوسرے ان کی نامزدگی صرف ایک تجویز تھی جس پر امت کے اہل الرائے سے مشورہ کیا گیا۔

صرف آزادانہ انتخاب ہی جس میں کوئی رشوت نہ ہو، نہ دباؤ ہو، حکمران بنانے کا اسلامی طریقہ ہے۔ اس کے علاوہ سب طریقے ناجائز اور باطل ہیں کوئی کسی کو ولی عہد مقرر نہیں کر سکتا اور نہ کوئی زبردستی حکومت پر بیٹھ سکتا ہے۔ ایسے سب لوگ غاصب اور ظالم ہیں۔ جس شخص سے کوئی ظالم کوئی چیز چھین لے، اس کو حق حاصل ہے کہ جب اس کو موقع

ملے، اپنی چیز اس غاصب سے چھین لے۔ اسی طرح ایسے غاصب حکمران سے جب موقع ملے اقتدار چھین لیا جائے۔ یہ عین دین ہے۔ ان کو ایک دن کیلئے بھی صحیح حکمران ماننا اپنے اسلام کی نفی ہے۔ اگر ہم اُن کو ہٹا نہیں سکتے تو صرف یہ مانیں گے کہ وہ بالفعل (DEFACTO) حکمران ہیں مگر جائز (بالحق) (DEJURE) حکمران نہیں ہیں۔

لوگ اس بات سے پریشان ہوتے ہیں کہ ایسے غاصب حکمرانوں کے پیچھے، جیسے کہ بنوامیہ تھے۔ لوگ نمازیں کیوں پڑھتے رہے، ان کو زکوٰۃ کیوں دیتے رہے، ان کی امارت میں حج کیوں کرتے رہے اور ان کے ساتھ مل کر جہاد کیوں کرتے رہے؟

اس بارے میں یہ بات ذہن نشین کرلیں کہ ان کے ظالم اور غاصب ہونے کے باوجود امت کا کوئی کام نہیں رکے گا۔ گناہ ان کا ہوگا مگر کام نہیں رکیں گے، علماء نے لکھا ہے کہ اگر باغی کسی علاقہ پر قبضہ کرلیں اور ان کے مقرر کردہ قاضی شریعت کے مطابق فیصلے کریں، مگر بعد میں جائز حکومت ان باغیوں سے علاقہ واپس لے لے، تو بھی ان قاضیوں کے وہ فیصلے برقرار رہیں گے جو شریعت کے مطابق ہوں گے۔

مگر آہستہ آہستہ اُمت نے ملوکیت کے جبر کے زیر اثر، نظریہ ضرورت کے تحت، جس کی کوئی دلیل قرآن وسنت میں نہیں، ڈر کے مارے ایسے لوگوں کو جائز حکمران مان لیا۔

دوسری غلط بات یہ شروع ہوگئی کہ ایسے غاصب کے خلاف آپ بغاوت نہیں کر سکتے۔ جب تک وہ کھلم کھلا کافر ہونے کا اعلان نہ کردے۔ اس کے علاوہ جو چاہے کرے، اس کے خلاف کچھ نہیں کر سکتے۔ ظلم پر ظلم یہ کہ یہ بھی کہہ دیا اب اس مسئلہ پر فقہاء متفق ہو گئے ہیں اور اس پر اجماع ہے۔ یاد رکھیں ایسا اجماع بالکل باطل ہے یہ نہ قرآن سے لیا نہ حدیث سے، صرف مجبوری کا نتیجہ ہے۔

اس مسئلہ کا برا نتیجہ کتابوں میں دیکھا کہ بڑے بڑے لوگ مثلاً شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے "ازالۃ الخفاء" میں امام شوکانی رحمۃ اللہ علیہ نے "نیل الاوطار" میں، اور مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ لکھا کہ جن لوگوں نے پہلے ائمہ (حکمرانوں) کے خلاف خروج کیا، مثلاً امام

حسین علیہ السلام، وہ مجتہد ہیں مگر غلطی کی۔ اللہ انہیں معاف کرے مگر اب یہ بات ثابت ہوگئی کہ حکمران چاہے کنجر اور بدمعاش ہوں، جو انکے خلاف خروج کرے گا، وہ باغی ہے۔ پہلوں کو تو معافی ہے کہ ان کو علم نہ تھا مگر اب یہ مسئلہ واضح ہوگیا اور اس بارے میں متواتر حدیثیں ہیں کہ حکمران کے خلاف آپ کچھ نہیں کرسکتے۔ جو کوئی ایسی کوشش کرے گا چاہے وہ ولی ہو تو بخشا نہیں جائے گا، غاصب کو خلیفہ کہہ کر ان علماء نے ظالم حکمرانوں کو کھلا ہاتھ (FREE HAND) دے دیا۔

حقیقت یہ ہے کہ جن حدیثوں میں خلیفہ کے خلاف بغاوت سے منع کیا گیا ہے ان میں یہ غاصب حکمران مراد نہیں ہیں، وہ احادیث ان حکمرانوں کے بارے میں ہیں جن کو امت چنے اور آزاد مرضی سے چنے، اگر چنا جانے والا پہلے سے فاسق ہے، تو وہ بھی خلیفہ نہیں ہے، اس کی بیعت کالعدم ہے اور جو غاصب ہے وہ تو بالکل سرے سے خلیفہ ہے ہی نہیں۔ اگر چناؤ کے وقت نیک تھا، مگر بعد میں برے کام شروع کردے تو اس کیس میں بہت دیر تک انتظار کریں گے، اصلاح کی کوشش کریں گے اور اس کے غلط حکم نہیں مانیں گے، یہ بھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمادیا تھا، چونکہ یہ خلیفہ جائز ہے لہٰذا اس کو سنبھلنے کے لیے بہت موقع دیں گے، مذکورہ بالا احادیث ایسے لوگوں کے حق میں ہیں، غاصبوں کے حق میں نہیں اس کی مثال ایسے ہی ہے کہ کوئی ظالم کسی کی بیوی زبردستی چھین لے تو وہ خاوند نہیں بن جاتا اور نہ اس کو خاوند کے شرعی حقوق حاصل ہوں گے کہ وہ ایسی حدیثیں پڑھ پڑھ کر سنائے کہ خاوند کی اطاعت بیوی پر لازم ہے، خاوند وہ ہوتا ہے جس سے شرعی طور پر نکاح ہو۔

علماء حوالے دیتے ہیں ایسی احادیث کے جو جائز حکمرانوں کے بارے میں ہیں اور چسپاں کرتے ان غاصبوں پر جو زبردستی یا دھوکے سے حکمران بن بیٹھے۔ یاد رکھو! ظالم ایک دن کیلئے بھی امام نہیں کیونکہ "**لاطاعة لمخلوق فی معصية الخالق**" (خالق کی نافرمانی میں مخلوق کی اطاعت کرنا جائز نہیں۔)

جو شخص حکمران تو امت کے مشورہ سے بنا، مگر بعد میں بگڑ جائے تو اس کے خلاف

بغاوت تب کریں گے جب وہ نماز چھوڑ دے یا کھلا کافر ہو جائے، جب کوئی حکمران دین کی کسی بات کا مذاق اڑائے تو بھی کافر تصور کیا جائے گا چاہے وہ نماز پڑھے، حج کرے کیونکہ کلمہ کے انکار سے بڑھ کر یہ دلیل ہے کہ وہ دین کا مذاق اڑاتا ہے، دین پر عمل نہ کرنا کوتاہی اور گناہ ہے مگر مذاق اڑانا کافر بنا دیتا ہے۔ یہ وہ حدود ہیں کہ اب وہ حکومت، حکومتِ کفر ہے۔ تفصیل کیلئے شاہ اسماعیل شہید کی کتاب ''منصب امامت'' کا مطالعہ فرمائیے۔

امام ابوبکر جصاص رحمۃ اللہ علیہ حنفی اپنی تفسیر ''احکام القرآن'' میں لکھتے ہیں کہ دین کیوں برباد ہوا؟ یہ بے وقوف اصحاب حدیث پیدا ہو گئے جنہوں نے حدیثوں کو نہ سمجھا۔ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ''ظالم حاکم، حکمران نہیں ہے، ان کے خلاف جب موقع ملے جہاد کرو۔ ان اہل حدیث کی وجہ سے امت سے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا جذبہ ختم ہو گیا اور ظالم اسلامی حکومت پر چھا گئے۔

امام بن حزم اپنی کتاب ''المحلیٰ'' ج:9، ص:362 پر لکھتے ہیں کہ باغی وہ ہوگا جو دین چھوڑے گا، چاہے وہ حکمران ہو یا عوام ہوں، اگر حکمران غلط ہے تو وہ باغی اور عوام عادل ہوں گے۔ جب بھی اس حکمران سے زیادہ عادل خروج کرے تو اس کا ساتھ دو، وہ باغی نہیں ہے بلکہ باغی حکمران ہے۔ انہوں نے دلائل دیتے ہوئے لکھا کون ہے اجماع کا دعویٰ کرنے والا فقیہہ؟ امام حسین علیہ السلام، عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ اور مدینہ سے اٹھنے والے اصحاب حرّہ سے بڑا کون فقیہہ پیدا ہوا ہے۔ امام ابن حزم رحمۃ اللہ علیہ نسلاً اموی تھے اور مسلکاً ظاہری (اہل حدیثوں سے دو قدم آگے) تھے۔ یہ حکمرانوں کی ڈکشنری ہے کہ وہ رعایا کو باغی کہتے ہیں حالانکہ باغی وہ ہے جو دین کو چھوڑ دے چاہے وہ حکمران ہو یا رعیت ہو۔

محمد خیر ہیکل اپنی کتاب ''الجهاد و القتال'' ج:1، ص:202-217، پر لکھتے ہیں۔

> ''جو زبردستی حکومت پر قبضہ کرے اس سے جہاد لازم ہے اور وہ ایک دن کیلئے بھی ہمارا حکمران نہیں ہے۔ انہوں نے دلائل اور مثالیں دیتے ہوئے کہا کہ یزید کو کس نے چنا تھا؟ اس کی بیعت نہیں تھی، جبر تھا، وہ ایک دن

کیلئے بھی مسلمانوں کا حکمران نہیں تھا۔ اس وقت اُمت کا فرض تھا کہ اس سے اقتدار چھینے۔ اس لیے امام حسین علیہ السلام کا اقدام جہاد تھا۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے زہر پینا قبول کرلیا۔ جیل میں کوڑے کھائے مگر فرمایا کہ ظالموں کا ساتھ نہیں دے سکتا۔ جب زید بن علی علیہ السلام ہشام کے خلاف اٹھے تو امام ابوحنیفہ نے فتویٰ دیا کہ جو زید بن علی علیہ السلام کا ساتھ دیں تو ان کو وہ ثواب ملے گا جو اصحاب بدر کو ملا۔ اور یہ بھی فرمایا کہ زید کا ساتھ دینا 50 نفلی حج کرنے سے بہتر ہے۔"

(مناقب الامام اعظم ابن البزاز الکردری ج:2، ص:71 اور مناقب الامام الاعظم ابی حنیفہ از الموفق المکی ج:2، ص 83)

دفاع سنت پر ایک بہترین کتاب "العواصم و القواصم فی الذب عن سنته ابی القاسم" امام محمد بن الوزیر یمانی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھی ہے۔ اس موضوع پر اس سے اعلیٰ کتاب نہیں لکھی گئی۔ امام شوکانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یمن نے اسلام کو اور کچھ بھی نہ دیا ہوتا تو یہی کتاب کافی تھی۔

یمن کے زیدی شیعوں کے اس اعتراض کے جواب میں پوری فصل لکھی ہے۔ جس میں انہوں نے کہا تھا کہ اہل سنت کے مذہب میں ظالم بھی خلیفے ہیں اور یزید کے خلاف اٹھنے والے باغی شمار ہوتے ہیں۔ امام نے ابن حزم رحمۃ اللہ علیہ اور امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ کے حوالے دیئے ہیں کہ سب یزید کو ملعون کہتے ہیں "العواصم والقواصم ج:8، ص 76" پر انہوں نے امام ابن حزم رحمۃ اللہ علیہ کا حوالہ دیا کہ میں نے ایک شخص کو دیکھا جو اپنے آپ کو عالم دین کہتا ہے اور کتابیں لکھتا ہے۔ اس نے ایک کتاب لکھی ہے۔ جس میں اس بات پر اجماع کا ذکر کیا کہ حکومت پر زبردستی قبضہ کرنے والے بھی جائز حکمران ہیں اس شخص نے اپنی کتاب میں ایسی باتیں لکھیں کہ اگر وہ نہ لکھتا تو اس کی عاقبت کیلئے اچھا ہوتا بلکہ وہ گونگا پیدا ہوتا تو اس کے لئے بھی اچھا ہوتا۔ وہ شخص ابن مجاہد متکلم بصری طائی ہے۔ اس نے لکھا کہ

ظالم حاکم جو جی چاہے کریں، ان کے خلاف بغاوت نہیں کر سکتے۔

امام ابن حزم رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ میں یہ مسئلہ دیکھ کر کانپ گیا۔ اس سے بڑا جرم مجھے یہ نظر آیا کہ اگر یہ اجماع ہے تو جو اس اجماع کے خلاف کریں گے، وہ تو کافر ہو جائیں گے، کیا اس متکلم کو پتہ نہیں کہ حرہ کے دن پورا مدینہ جن میں سارے صحابہ رضی اللہ عنہم و تابعین یزید کے خلاف اٹھے؟ اگر اجماع تھا تو پھر یہ سارے تو نعوذ باللہ کافر ہو گئے۔ کیا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھی مکہ میں یزید کے خلاف نہیں اٹھے اور سارے علاقے چھین کر خلیفہ نہیں بنے؟ کیا حسین علیہ السلام ابن علی علیہ السلام اور انکے ساتھی نیک مسلمان نہیں تھے؟

پھر امام ابن حزم رحمۃ اللہ علیہ جو نسلاً اموی اور مسلکاً کٹر اہل حدیث تھے، دُعا کرتے ہیں کہ جو لوگ یزید کے خلاف اٹھے تھے، اللہ ان سے راضی ہو اور جنہوں نے ان کو قتل کیا، ان پر اللہ کی لعنت ہو، پھر امام نے سوال کیا کہ چار ہزار عالم (قُـرّاء) جو حجاج بن یوسف کے خلاف حضرت سعید ابن جبیر رحمۃ اللہ علیہ کی قیادت میں میدان میں آئے، تو اے ابن مجاہد طائی بتا! کہ وہ سارے نعوذ باللہ کافر ہو گئے تھے؟ اللہ کی قسم جو ان کو کافر کہے وہ خود کافر ہے۔''

امام ابوبکر جصاص رحمۃ اللہ علیہ اپنی تفسیر ''احکام القرآن'' ج:4، ص:1409 پر سورۂ حجرات کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے جب پوچھا گیا کہ اگر کوئی ظالم حکمران بن جائے اور لوگ اس کے خلاف اٹھیں تو ایسے لوگوں کے بارے میں شریعت میں کیا حکم ہے؟ امام نے فرمایا: ''اگر لوگ امام عادل کے خلاف اٹھیں تو عوام کا فرض ہے کہ امام عادل کا ساتھ دیں۔ اگر حکمران بھی ظالم ہے اور باغی بھی ظالم میں تو کسی کا ساتھ نہ دیں۔ ہمارے زمانہ میں لوگ حکمران پہلے بنتے ہیں ور بیعت بعد میں لیتے ہیں تو ایسی بیعت کی کوئی قانونی حیثیت نہیں۔ یہ بیعت خوف کی وجہ سے ہوتی ہے۔ اگر ظالم حکمران کے خلاف کوئی عادل گروہ اٹھے تو باغیوں کا ساتھ دو۔

امام ابن حجر عسقلانی ؒ لکھتے ہیں:

''دو قسم کے لوگ حکومت کے خلاف اٹھتے ہیں۔ ایک وہ جو دین سے نکل جاتے ہیں جیسے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے دور میں مرتد اٹھے تھے۔ ایک وہ گروہ ہوتا ہے جو اپنا عقیدہ لے کر نہیں بلکہ حکومت حاصل کرنے کے لئے اٹھتے ہیں۔ یہ لوگ بھی دو قسم کے ہوتے ہیں ایک وہ جو دینی غیرت کے جوش میں اس لیے نکلے کہ حکمران ظالم ہو گئے ہیں اور سنت نبی ﷺ پر عمل کرنا چھوڑ دیا ہے، تو ایسے باغی اہل حق ہیں۔ ایسے ہی لوگوں میں حضرت حسین بن علی علیہ السلام اور مدینہ کے اہل حرہ اور حجاج کے خلاف اٹھنے والے قراء (4,000عالم) شامل ہیں (بس ان دو سطروں میں پورا واقعہ کربلا سمٹ کر آ گیا)۔ امام لکھتے ہیں کہ باغیوں کا ایک گروہ ایسا ہوتا ہے جن کے پیش نظر دین نہیں بلکہ صرف حکومت کا لالچ ہے یہی گروہ دراصل باغی ہے۔''

(فتح الباری ج:12،ص:285-286)

آپ پر واضح ہو گیا کہ حکومت پر نظر رکھنا اہل اسلام کی سب سے بڑی ذمہ داری ہے۔ نماز روزہ سے زیادہ فکر اس بات کی کریں کہ ہمارے ملکوں کی باگ ڈور جن کے ہاتھ میں ہے، وہ کیسے لوگ ہیں؟ اگر وہ اللہ کے رسول علیہ السلام کے مطیع ہیں تو ان سے محبت دین ہے، ان کے لیے دعائیں مانگنا اور ان کی خیر خواہی لازم ہے۔ اگر وہ ظالم ہیں تو ان سے بغض کرنا اور ان پر لعنت کرنا ضروری ہے۔ جہاں تک ہو سکے ان سے تعاون نہ کرو، پھر یہی دین ہے۔

جہاں تک ظالم حکمران کے پیچھے نماز پڑھنے کا ذکر ہے یا ان کے ساتھ حج کرنے اور جہاد کرنے کا ذکر ہے تو رسول کریم ﷺ کا فرمان بخاری و ابوداؤد میں موجود ہے کہ انہوں نے مہربانی فرماتے ہوئے اجازت دے دی کہ حکمران نیک ہو یا فاسق، نہ جہاد روکو نہ نماز الگ کرو، امام ابن حزم ؒ فرماتے ہیں کہ حجاج انسانوں میں سب سے بڑا فاسق تھا مگر لوگ اس کے پیچھے نماز پڑھتے رہے۔

لہذا نمازیں سب کے پیچھے پڑھو، ہم وحدت اُمت کیلئے قربانی دیں گے۔فروعی مسائل کی یہ حیثیت نہیں کہ ہم اپنی نمازیں الگ کرلیں۔اس سلسلہ میں ایک واقعہ ہمیشہ ذہن میں رکھیں۔امام ابو عامر حنفی رحمۃ اللہ علیہ اور امام کفال مروزی شافعی رحمۃ اللہ علیہ ہم عصر تھے۔ان دونوں کی آپس میں خوب بحثیں چلتی تھیں۔ایک دن امام ابو عامر حنفی رحمۃ اللہ علیہ جا رہے تھے۔کہ نماز مغرب کا وقت ہوگیا۔وہ نزدیک ہی ایک مسجد میں تشریف لے گئے۔وہ مسجد امام کفال رحمۃ اللہ علیہ کی تھی۔حنفی امام جب مسجد میں داخل ہوئے تو شافعی امام کفال رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے مؤذن سے کہا آج اذان ترجیع کے بغیر کہنا (جیسا کہ ہمارے ملک میں عام طور پر کہی جاتی ہے اور دونوں سنت ہیں) جماعت کے وقت امام کفال نے حنفی امام کو آگے کر دیا تو انہوں نے سینے پر ہاتھ باندھے آمین بلند آواز سے کہی اور رفع الیدین کیا جو شافعی طریقہ ہے۔

یہ واقعہ سید انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ نے اور مولانا محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ نے "معارف السنن" میں لکھا ہے:

"اصل مسائل حکومت کی درستگی، غریبوں کی امداد اور کرپشن کا خاتمہ ہے نہ کہ آمین بالجہر یا رفع الیدین وغیرہ"

مسلمانوں کا حکمران صرف ایک حکمران ہی نہیں بلکہ نائب رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے۔اس نے وہ سارے فرض ادا کرنے ہوتے ہیں جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی زندگی میں انجام دیتے تھے۔وہ دین کا سب سے اعلیٰ نمونہ اور سیرت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سب سے زیادہ قریب ہوتا ہے۔اسی لیے دین میں اس کو امام کہا گیا ہے۔اگر اس میں ٹیڑھ آ گئی تو سارا دین ٹیڑھا ہو جائیگا۔جس وقت امت یہ غلط موڑ مڑ رہی تھی اس وقت بدقسمتی سے لوگوں نے فرزند رسول علیہ السلام کا ساتھ نہ دیا۔اگر ساتھ دے دیتے تو خرابی وہیں ختم ہو جاتی۔اس طرز عمل کا نتیجہ ہے کہ ہم پر ایک سے بڑھ کر ایک ظالم حکمران بنا۔

سیدنا امام حسین علیہ السلام کا واقعہ ایک کہانی نہیں بلکہ نظام شریعت کو سمجھنے کے لیے ضروری سبق ہے۔یہ شریعت کے قیام، غلبہ اسلام، اور پوری دنیا میں امن قائم کرنے کے لیے

ضروری ہے۔ جب تک مشرق سے مغرب تک اسلام حکمران نہ بن جائے، مسلمانوں کو آرام کرنے کی اجازت نہیں۔ کیوں کہ حضور ﷺ نے فرمایا:

''ساری زمین میرے لیے مسجد بنادی گئی ہے۔ لہٰذا جب تک اس مسجد کا کوئی حصہ کفار کے قبضہ میں ہے۔ مسلمانوں پر آرام حرام ہے۔''

الحذر از گردشِ نو آسماں
مسجد مومن بدستِ دیگراں؟
سخت کوشد بندۂ پاکیزہ کیش
تا بگیرد مسجد مولائے خویش

دین صرف غلبہ اسلام کا نام ہے۔ غلام کا کوئی دین نہیں ہوتا۔ اسی لیے قرآن مجید میں ان مسلمانوں کو جو کفار کے علاقہ میں رہتے تھے حکم دیا کہ یا ہجرت کرو یا وہاں انقلاب کی کوشش کرو ورنہ تم منافقوں میں شمار ہوگے۔ سورۂ نساء میں مکہ میں رہنے والے مسلمانوں کا نزع کے عالم میں فرشتوں سے جو مکالمہ نقل ہوا ہے وہ سب مسلمانوں کے لیے نصیحت آموز ہے۔ اسلامی حکومت شرک اور توحید کا مسئلہ ہے۔ یہ شرک سے کم نہیں ہے کہ خدا کی زمین پر بندے حکومت کریں اور اپنی من مرضی کریں۔ جب حکومت خدا کے قانون سے آزاد ہو جاتی ہے تو طاغوت بن جاتی ہے۔ اور جو اس کی فرمان برداری کرتے ہیں۔ وہ بت پرستی کرتے ہیں۔

نکل کر خانقاہوں سے ادا کر رسمِ شبیری
کہ فقر خانقاہی ہے فقط اندوہ و دل گیری

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''امت اس وقت تک درست رہے گی جب تک اس کے حکمران درست رہیں گے۔''

(فتح الباری ج:7ص 148، مناقب الانصار باب ایام الجاهلیة)

بزرگ فلسفۂ قتلِ شاہِ دیں ایں است
کہ مرگِ سرخ بہ از زندگیِ ننگیں است

آساں نہیں ہے معرفتِ رازِ کربلا
دل حق شناس دیدۂ بیدار چاہیے

آتی ہے کربلا سے یہ آواز آج بھی
ہاں حق کا اعتراف سرِ دار چاہیے

واقعہ کربلا دو شخصیتوں کا نہیں بلکہ اسلامی حکومت کے دفاع کے لیے جان دینے اور ظالم کے مسلمانوں کا حکمران بن جانے کی دو علامتیں ہیں۔ توحید یہ ہے کہ بندے کسی کو اپنے اوپر حکومت نہ کرنے دیں بلکہ خدا کا قانون حکومت کرے۔ بعد میں یہ بات بڑی محنت سے مسلمانوں کے ذہنوں سے نکالی گئی اور یہ تعلیم دی گئی کہ جو آئے اسے سلام کرو۔ جبکہ سیدنا امام حسین علیہ السلام کا کارنامہ یہ ہے کہ

نقش الا اللہ بر صحرا نوشت
سطرِ عنوانِ نجاتِ ما نوشت

مقام وشان وایمانِ صحابہ رضی اللہ عنہم

مسلمان امت قیامت تک صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے احسان سے سبکدوش نہیں ہوسکتی جو انہوں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا جانی، مالی اور زبانی مدد سے ساتھ دیا اور دین کو حرف بحرف ہم تک پہنچایا۔ اگر وہ بے ایمان ہوتے یا منافق ہوتے، جیسا کہ کچھ لوگوں کا غلط خیال ہے تو اسلام کا پودا نہ جڑ پکڑ سکتا اور نہ پروان چڑھ سکتا بلکہ بہت جلد مرجھا کے رہ جاتا ان پاک ہستیوں کے ایمان اور ایثار کا ذکر قران مجید میں سورۂ انفال:74/8 میں فرمایا:

"جو لوگ ایمان لائے اور ہجرت کی اور خدا کی راہ میں اپنے مال وجان سے لڑے، وہ اور جنہوں نے ہجرت کرنے والوں کو جگہ دی اور ان کی مدد کی وہ آپس میں ایک دوسرے کے رفیق ہیں۔"

بخاری ومسلم وغیرہ میں حدیث ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا:

"میرے اصحاب کو برا نہ کہو کیونکہ تم اُحد پہاڑ کے برابر سونا خدا کی راہ میں خیرات کرو تو بھی میرے صحابہ کے ایک مُدّ (پنجابی والا ایک بُک) جَو خیرات کرنے کے برابر نہیں ہوسکتا۔"

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے بارے میں فرمایا:

"دنیا میں سب سے زیادہ احسان مجھ پر ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ہیں۔"

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں فرمایا:

"اگر اس امت میں سے نبی نہ ہونے کے باوجود کوئی ایسا ہو جس سے خدا کلام کرے (مُحدث، مُفہمؔ، مُکلّم) تو وہ عمر رضی اللہ عنہ ہوگا۔"

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے بارے میں اُحد پر فرمایا: ''یہ شہید ہوں گے۔''

''حضرت علی علیہ السلام کو اپنے ساتھ وہی نسبت دی جو حضرت سیدنا ہارون علیہ السلام کو حضرت سیدنا موسیٰ علیہ السلام سے تھی اگر چہ اب نبی کوئی نہیں ہے۔''

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم دین میں اس لیے محترم ہیں کہ وہ برہان نبوت ہیں۔ وہ حضور علیہ السلام کے سچا نبی ہونے کی دلیل ہیں۔ وہ ایمان لانے سے پہلے بدترین لوگ تھے۔ قرآن مجید کی سورۂ اعراف: 179/7 میں فرمایا: کہ عرب کے لوگ جانور بلکہ جانوروں سے بھی بدتر تھے۔ ان میں ہر عیب تھا اور ان عیوب کو مجلسوں میں علانیہ بیان کرتے تھے۔ اب بھی سبعہ معلقات میں وہ ساری باتیں موجود ہیں۔ مگر وہی لوگ جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آئے تو اللہ کے ولی بن گئے۔ وہی بدمعاش بدوانتہائی نیک بن گئے۔ اگر حضور علیہ السلام معاذ اللہ سچے نہ تھے تو ایسے برے لوگوں کو کیسے بدل کر رکھ دیا؟ حضور علیہ السلام کے بے شمار معجزے اور دلائلِ نبوت ہیں لیکن ان میں سب سے بڑا معجزہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا وجود ہے کہ جو لوگ آپ علیہ السلام کے پاس بیٹھے ان پر کیا رنگ چڑھا؟ وہ بدلے کہ نہیں بدلے؟ اگر بدلے ہیں تو برے بنے کہ متقی؟ اس بات کی طرف قرآن نے کفارِ عرب کی توجہ دلائی کہ نبی علیہ السلام کے پاس بیٹھنے والوں کی زندگیوں میں انقلاب دیکھ کر بھی تم کو عقل نہیں آتی کہ وہ لوگ اب رکوع وسجود میں مشغول رہتے ہیں جو پہلے ہر وقت برے کاموں میں مشغول رہتے تھے۔ للہذا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم معجزۂ نبوت ہیں۔

پہلے انبیاء کرام علیہم السلام کے صحابی اگر بعد میں یا ان کی موجودگی میں بگڑ بھی جاتے تھے تو بعد میں آنے والے انبیاء کرام علیہم السلام ان کے بگاڑ کو درست کر دیتے تھے۔ مگر رسول خدا علیہ السلام چونکہ آخری نبی تھے۔ اگر ان کے ساتھی بھی اسی طرح بگڑ جاتے جیسے پہلی امتوں میں ہوتا تھا تو اِن کو کس نے آ کر ٹھیک کرنا تھا؟ یاد رکھو حضور علیہ السلام اس لحاظ سے بھی انبیاء کرام میں سے منفرد ہیں کہ نہ آپ کی بیویوں میں سے کوئی کافرہ ہوئی نہ آپ کی اولاد میں سے کوئی کافر ہوا اور نہ سامری کا بچھڑا پوجنے والوں کی طرح امت مرتد ہوئی۔ آپ علیہ السلام کی بیویوں کے متعلق قرآن مجید کی سورۂ احزاب: 32/33 میں فرمایا: ''تم عام عورتوں کی مانند نہیں ہو۔''

اور شیعہ سنی سب عالم مانتے ہیں کہ حضور علیہ السلام کی اس دنیا میں بیویاں جنت میں بھی ان کی بیویاں ہیں۔ آپ علیہ السلام کی ساری بیویاں اور اولاد مومن تھی اور دونوں نواسوں اور بیٹی کے متعلق تو یوں فرمایا: "جنت کے جوانوں کے سردار اور جنت کی عورتوں کی سردار ہیں۔"

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ایمان کی دوسری دلیل یہ ہے کہ قرآن کو پوری مسلمان امت چاہے وہ شیعہ سنی، خارجی، کوئی بھی ہو، سب متواتر مانتے ہیں۔ حتی کہ کفار بھی تحقیق کرنے کے بعد مان گئے ہیں کہ اس قرآن کے علاوہ کوئی دوسرا قرآن دنیا میں کبھی موجود نہیں رہا۔ انہوں نے صدیوں پرانے، مختلف ملکوں اور زبانوں کے قرآن مجید کے نسخے جمع کئے، چیک کئے، مگر یہ لکھنے پر مجبور ہو گئے کہ قرآن ایک ہی ہے۔ اگر حضور علیہ السلام کی وفات کے بعد سب صحابہ رضی اللہ عنہم، سوائے چار کے، معاذ اللہ مرتد ہو گئے تھے۔ تو پھر قرآن متواتر نہیں بلکہ خبرِ واحد بن جاتا اور مشکوک ہو جاتا کہ کیا پتہ ان چاروں نے (معاذ اللہ) مل کر سازش کر لی ہو اور قرآن بنا لیا ہو۔ یہ صرف تواتر ہے جو قرآن کو بچاتا ہے کہ یہ ان دو چار کے پاس نہیں بلکہ مشرق مغرب کے مسلمانوں کے پاس تھا، لاکھوں صحابہ رضی اللہ عنہم کے پاس تھا، ان کی آپس میں جنگیں تو ہوئیں مگر قرآن یہی رہا۔ قرآن قطعی اور یقینی ہے اور ان روایات کو اٹھا کر پھینک دو جن میں لکھا ہے کہ قرآن میں کچھ کمی بیشی ہوئی۔ قرآن اس لیے قطعی اور یقینی ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی جماعت ویسی نہیں تھی جیسے موسیٰ علیہ السلام کی قوم بنی اسرائیل تھی۔ اگر صحابہ رضی اللہ عنہم بھی ان کی طرح مرتد اور کافر ہو جاتے تو قرآن کا تواتر کہاں سے ثابت ہونا تھا؟

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ایمان کی تیسری دلیل یہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو خود خدا تعالیٰ نے مومن یعنی ایمان والے کہا مثلاً سورہ انفال: 8/8 میں فرمایا کہ اللہ وہی تو ہے جس نے خود بھی تمہاری مدد کی اور مومنوں کے ذریعہ بھی مدد کی یعنی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جیسے مخلص مومنین آپ علیہ السلام کے ساتھ نہ ہوتے تو دین کیسے غالب آتا؟ اگر دین کیلئے سر کٹوانے والے سرفروش حضور علیہ السلام کو نہ ملتے تو دین مکہ مدینہ میں ہی رہ جاتا۔ جو دین پورے عرب اور پوری دنیا میں پھیلا وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ذریعہ ہی پھیلا۔

سید قطب شہید رحمۃ اللہ علیہ لکھے ہیں:

''رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی اصل کامیابی یہ نہ تھی کہ آپ علیہ السلام دنیا کو قرآن دے گئے بلکہ اصل کامیابی یہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی شکل میں لاکھوں چلتے پھرتے قرآن چھوڑ گئے، ان لوگوں کا کردار بالکل قرآن کے مطابق تھا۔''

اِسی بات کو حضرت علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کرتے ہوئے کہا کہ

یہ راز کسی کو نہیں معلوم کہ مومن
قاری نظر آتا ہے حقیقت میں ہے قرآن

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا دین کیلئے جانبازی کا جذبہ جنگ بدر کے موقع پر دیکھیں جب صحابہ رضی اللہ عنہم نے حضور علیہ السلام کو کہا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم، ہم بنی اسرائیل کی طرح آپ علیہ السلام کو یہ نہیں کہیں گے کہ جا کر تو لڑ اور تیرا رب لڑے (المائدہ:5/5) اگر آپ علیہ السلام ہم کو سمندر میں چھلانگ لگانے کا فرمائیں تو ہم کود جائیں گے اور اگر نیزوں کی نوکوں پر کھڑے ہونیکا حکم دیں تو ہم ایسا ہی کریں گے۔

حضور علیہ السلام کے ساتھی بھی اگر موسیٰ علیہ السلام کے ساتھیوں کی طرح بے ایمان ہوتے تو جس طرح ان پر ملک موعود چالیس سال کے لیے حرام کردیا گیا تھا (المائدہ:26/5) تو پھر عرب میں اور باقی دنیا میں دین غالب نہ آسکتا۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ایمان اور اخلاص اور اتباع رسول علیہ السلام کی چوتھی دلیل یہ ہے کہ انہوں نے حضور علیہ السلام سے جو کچھ سنا اس کا ایک ایک حرف تمام کیفیات اور تفصیلات کے ساتھ بعد والوں کو منتقل کیا۔ حتیٰ کہ جس موقع پر حضور مسکرائے۔ وہ حدیث بیان کرتے ہوئے صحابہ بھی مسکراتے، جہاں آپ علیہ السلام نے بات کرتے وقت مخاطب کا ہاتھ پکڑا اُس موقع کی حدیث روایت کرتے ہوئے صحابہ رضی اللہ عنہم نے بھی مخاطب کا ہاتھ پکڑا، جہاں بات کرتے ہوئے حضور علیہ السلام نے اپنے دستِ مبارک کی چار انگلیاں کھڑی کیں، اس حدیث کو روایت کرتے ہوئے صحابی نے اپنی چار انگلیاں کھڑی کیں۔ اور یہ سارے انداز آج تک

تمام حدیث روایت کرنے والے محدثین اُسی طرح اپنے شاگردوں کے سامنے اختیار کرتے چلے آرہے ہیں جیسا کہ چودہ سو سال پہلے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کیا تھا۔ حدیث کی کتابوں کی بدولت ہر مسئلے کا حل اور حضور علیہ السلام کی پاک مجلس آج بھی ہر ایک کو میسر ہے۔

حضور علیہ السلام کا معجزہ، قرآن کے متواتر ہونے کا ثبوت، حضور کی احادیث کی حفاظت اور دین کی امداد میں اپنا جان مال کھپانا، صحابہ رضی اللہ عنہم کے مومن، مخلص اور متبع سنت ہونے کی دلیل ہیں جن کی وجہ سے دین کا پودا تن آور درخت بنا جیسا کہ سورۂ فتح 29/48 میں فرمایا:

''محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خدا کے رسول ہیں اور جو لوگ ان کے ساتھ ہیں وہ کافروں پر سخت اور آپس میں رحم دل ہیں۔ اے دیکھنے والے! تو ان کو دیکھتا ہے کہ خدا کے آگے جھکے ہوئے سر بسجود ہیں اور خدا کا فضل اور اس کی خوشنودی طلب کر رہے ہیں۔ کثرت سجود کے اثر سے ان کی پیشانیوں پر نشان پڑے ہوئے ہیں۔ ان کے یہی اوصاف تورات میں مرقوم ہیں اور یہی اوصاف انجیل میں ہیں۔ وہ گویا ایک کھیتی ہیں جس نے پہلے زمین سے اپنی کونپل نکالی پھر اس کو مضبوط کیا پھر موٹی ہوئی اور پھر اپنی نال پر (تنے پر) سیدھی کھڑی ہوگئی اور کھیتی والوں کو خوش کرنے لگی تاکہ کافروں کا جی جلائے۔ جو لوگ ان میں سے ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے ان سے خدا نے گناہوں کی بخشش اور اجرِ عظیم کا وعدہ کیا ہے۔''

اگر رسول کریم علیہ السلام کے ساتھی بنی اسرائیل کی طرح بزدل ہوتے تو دین مکہ ہی میں ختم ہو کے رہ جاتا۔ باقی رہی بات غلطیوں کی تو یہ انسانی فطرت ہے۔ اگر کوئی یہ کہے کہ حضرت فاطمہ علیہا السلام حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ سے ناراض ہوئیں تو اس سے پوچھو کہ موسیٰ علیہ السلام اور ہارون علیہ السلام دونوں نبی تھے، حضرت ہارون علیہ السلام ان سے تین سال بڑے تھے مگر موسیٰ علیہ السلام نے دینی جوش میں آکر ان کو سر اور داڑھی کے بالوں سے پکڑ لیا تھا اور کھینچا تھا۔ (سورہ طٰہٰ: 20/92 تا 94) تو کیا اس سے معاذ اللہ موسیٰ علیہ السلام کافر ہو گئے؟ وہ بشر تھے اور بشر کئی دفعہ آپس میں لڑ جھگڑ پڑتے ہیں۔ اس طرح تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم انسان تھے۔ انسانوں نے آپس میں

لڑنا بھی ہے اور جنت میں بھی جانا ہے۔

اگر ایک ایک صحابی رضی اللہ عنہ کے حالات پڑھے جائیں کہ اسلام لانے سے پہلے ان کی زندگی کیسی تھی اور اسلام لانے کے بعد ان کی زندگی میں کیا تبدیلی آئی تو ایک لاکھ سے زیادہ معجزے حضور علیہ السلام کے یہی بن جاتے ہیں۔ ان کی آپس میں جتنی چاہے رنجشیں ہوتی ہوں مگر ایک قرآن پر سب متفق تھے اور ان ہی سے قرآن کا تواتر ثابت ہوتا ہے۔ صحابہ کے حالات میں الاصابہ، اسد الغابہ اور الاستیعاب وغیرہ کتابیں لکھی گئی ہیں۔

سیدنا آدم علیہ السلام خدا کے پہلے نبی اور انسانِ اوّل تھے۔ خود اپنے کانوں سے خدا کا حکم سنا تھا کہ اس درخت کے نزدیک نہ جانا۔ مگر حکم کی خلاف ورزی ہوگئی۔ خدا تعالیٰ سے معافی مانگی اور مل بھی گئی۔ اب کوئی ہے مائی کا لال جو سیدنا آدم علیہ السلام پر اعتراض کرے اور ان کو بُرا کہے۔ لہٰذا صحابہ رضی اللہ عنہم کی بھول چوک کی غلطی رہنے دو اور خدا تعالیٰ کی بخشش کے دروازے بند نہ کرو۔ ان کا اسلام پر بہت بڑا احسان ہے اور جو انسان کا احسان نہیں مانتا وہ رب کا احسان بھی نہیں مانتا۔ صحابہ رضی اللہ عنہم پر اعتراض کرنے والے کو آئینے میں اپنا منہ دیکھنا چاہئے کہ ہم دن رات میں کتنے گناہ کرتے ہیں۔ تو ایسا آدمی جو اٹھ کر ان عظیم لوگوں کے دامن پر ہاتھ ڈالتا ہے وہ اپنی فکر کرے اور اس نے خدا کو کیا منہ دکھانا ہے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم کے ہم پر ان گنت احسان ہیں۔

وہ لوگ امت کیلئے نمونہ میں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نماز کیسے پڑھی ہے۔ خیرات کے حکم پر انہوں نے کس اعلیٰ درجہ میں عمل کیا، جہاد کے موقع پر کیا کیا قربانیاں دیں، اپنے ساتھیوں کے لئے کیسے ایثار کیا، ان کے حالات پڑھ کے پتہ چلتا ہے کہ اسلام کو کیسے انسان مطلوب ہیں۔ ان لوگوں نے اپنے عمل سے ثابت کیا کہ

بس اتنی سی حقیقت ہے ہمارے دین و ایماں کی
کہ اس جانِ جہاں کا آدمی دیوانہ ہوجائے

چند اصولی باتیں

آگے بڑھنے سے پہلے چند اصولی باتیں سمجھ لینا چاہئیں۔

1۔ صحابہ رضی اللہ عنہم معصوم نہیں

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ تحفہ اثنا عشریہ میں لکھتے ہیں:

''اہلسنت کے نزدیک عصمت انبیاء علیہم السلام کا خاصہ ہے۔ یہ صحابہ کو معصوم نہیں جانتے اسی لیے خود رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور شیخین اور حضرت علی علیہ السلام نے بعض صحابہ رضی اللہ عنہم کو مختلف جرائم میں سزا دی۔''

مولانا عبدالشکور لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب خلفائے راشدین میں لکھتے ہیں:

''خلیفہ رسول علیہ السلام مثلِ رسول علیہ السلام معصوم نہیں ہوتا نہ اس کی اطاعت ہر کام میں مثل رسول علیہ السلام کی اطاعت کے واجب ہوتی ہے۔ بالفرض کوئی خلیفہ سہواً یا عمداً کوئی حکم شریعت کے خلاف دے تو اس حکم میں اس کی اطاعت نہ کی جائے گی۔ عصمت خاصہ نبوت ہے۔ حضور علیہ السلام کے بعد کسی کو معصوم جاننا عقیدۂ ختم نبوت کے خلاف ہے۔'' (عقیدہ نمبر 4)

مولانا مناظر احسن گیلانی رحمۃ اللہ علیہ (دیوبندی) کتاب تدوین حدیث ص: 435 پر لکھتے ہیں:

''صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی جماعت میں ہر قسم کے لوگ تھے یعنی اعلیٰ، اوسط، ادنیٰ مدارج میں ان کو بھی تقسیم کیا جاسکتا ہے جیسے کہ ہر جماعت کے افراد میں یہ تقسیم جاری ہوتی ہے۔ تاہم یہ مسلّم تھا کہ پیغمبر کے سوا کوئی بشر چونکہ معصوم پیدا نہیں کیا جاتا اس لیے نہ اس زمانے میں نہ اس کے بعد اس وقت تک کسی طبقہ کے صحابیوں کو معصوم قرار دینے کا عقیدہ مسلمانوں میں کبھی پیدا ہوا۔''

مولانا بدر عالم میرٹھی مہاجر مدنی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

''رسول علیہ السلام کے فیصلے کے سوا کسی فیصلہ کو الٰہی فیصلہ اور قضاء الٰہی نہیں کہا

جا سکتا اور نہ رسول ﷺ کے فیصلہ کے علاوہ کسی اور مرد بشر کا فیصلہ نکتہ چینی سے بالاتر ہوسکتا ہے اور اس لیے رسول ﷺ کے علاوہ ہر انسان کے فیصلہ پر دل و جان سے راضی ہونا لازم قرار نہیں دیا جاسکتا۔"

(ترجمان السنۃ ج:3 ص:426)

2۔الصحابۃ کلھم عدول کا معنی

مولانا عبدالحیٔ لکھنوی فرماتے ہیں:

"یہ عقیدہ کسی عقیدہ اور علم کلام کی کتاب میں مذکور نہیں البتہ حضرات محدثین اصول حدیث میں راویوں کی تحقیق و تعدیل کے بیان کرتے وقت ذکر کیا کرتے ہیں۔ جس کسی نے عقائد میں درج کیا ہے، اُسی جگہ سے کیا ہوگا اور عدالت کے معنی اس میں روایت کے اندر کذب کے ارادہ سے پرہیز کرنا ہے اور درحقیقت تمام صحابہ رضی اللہ عنہم اس عدالت کے ساتھ موصوف تھے اور حضور ﷺ کی طرف جھوٹی بات کی نسبت کرنے کو بہت بڑا گناہ سمجھتے تھے۔"

(فتاویٰ عبدالحیٔ اردو کامل مبوّب ص 83)

مولانا عبدالسلام ندوی اپنی کتاب "اسوہ صحابہ" ص:20 پر فرماتے ہیں:

"یہ کسی محدث کا دعویٰ نہیں کہ صحابہ رضی اللہ عنہم انصاف کے خلاف کوئی کام نہیں کرسکتے، اور ان سے کوئی فعل تقویٰ و طہارت کے خلاف صادر نہیں ہوسکتا یا وہ انبیاء کی طرح معصوم ہیں یا وہ تمام گناہوں سے محفوظ ہیں بلکہ ان کا مقصد صرف یہ ہے کہ کوئی صحابی روایت کرنے میں دروغ بیانی سے کام نہیں لیتا۔"

امام ابوحاتم محمد بن حبان اپنی کتاب "صحیح ابن حبان" میں عدالت کی تعریف یوں فرماتے ہیں:

"انسان میں صفتِ عدالت ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اس کے اکثر احوال اطاعت الٰہی پر مبنی ہوں۔ یہ اس لیے کہ اگر ہم عادل و راست باز صرف اس کو قرار دیں جس سے کسی حالت میں صدور معصیت نہ ہو تو ہمیں تسلیم کرنا

پڑے گا کہ دنیا میں کوئی عادل ہی نہیں کیونکہ انسانوں کے حالات شیطان کی دراندازی سے خالی نہیں ہوتے بلکہ عادل وہ ہے جس کی ظاہر حالت میں خدا کی بندگی موجود ہو اور غیر عادل وہ ہے جس کے اکثر احوال زندگی اللہ کی نافرمانی میں بسر ہوتے ہوں۔"

مولانا محمد اعلیٰ تھانوی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب "کشّاف اصطلاحات الفنون" میں لفظ صحابی کے تحت اصول حدیث کی مختلف کتابوں کے حوالہ سے لکھتے ہیں:

"جان لو! صحابہ کرام رضی اللہ عنہم روایت حدیث کے معاملے میں سب کے سب عدول ہیں اگر چہ ان میں سے بعض کسی دوسرے معاملے میں غیر عادل ہوں۔" (کشاف اصطلاحات الفنون، ج:1، ص 809)

حافظ ابوبکر احمد الخطیب بغدادی اپنی کتاب "الکفایہ فی علم الروایہ، باب الکلام فی العدالۃ و احکامھا" میں حضرت سعید بن مسیّب سے نقل کرتے ہیں:

"کوئی بزرگ اور عالم اور حاکم ایسا نہیں جس میں لازماً کوئی نہ کوئی عیب نہ ہو، لیکن لوگوں میں سے جس کے عیوب کا چرچا نہ ہو اور جس کے فضائل اس کے نقائص سے زیادہ ہوں، اس کا نقص اس کے فضل کی بنا پر زائل ہو جائے گا۔"

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"میرے علم میں کوئی ایسا نہیں جس نے اللہ کی طاعت کی ہو اور پھر اس میں اللہ کی نافرمانی کی آمیزش نہ کی ہو سوائے یحییٰ بن زکریا علیہ السلام کے، اور کوئی ایسا بھی نہیں جس نے اللہ کی نافرمانی کی ہو مگر اس کے ساتھ اس کی اطاعت بھی نہ کی ہو۔ پس جس کی اطاعت غالب ہو تو اسے عادل قرار دیا جائے گا۔ اور جس کی معصیت غالب ہو اسے مجروح ٹھہرایا جائے گا۔" (الکفایہ)

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ ایک سوال کے جواب میں فرماتے ہیں:

"کہ سب صحابہ عادل ہیں تو اس سے مراد یہ ہے کہ سب صحابہ رضی اللہ عنہم

آنحضرت ﷺ سے روایت کرنے میں معتبر ہیں۔ اس سے یہ مراد نہیں
کہ سب صحابہ معصوم ہیں یا ان سے کبھی گناہ صادر نہ ہوا ہو۔"

(فتاویٰ عزیزی مترجم، ص:216-217، سے مختصراً)

امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"سب صحابہ رضی اللہ عنہم ثقہ راوی ہیں اور روایت کرنے میں سچے ہیں اور حدیث
بیان کرنے میں سب لوگوں سے سچے ہیں۔ ان میں سے کوئی بھی ایسا نہیں
معلوم ہو سکا جس نے جان بوجھ کر حضور ﷺ پر جھوٹ بولا ہو حالانکہ انہی
صحابہ کرام میں سے بعض سے کمزوریاں صادر ہوئیں جیسا کہ واقعہ ہے اور ان
سے گناہ بھی سرزد ہوئے اور وہ معصوم نہ تھے۔" (منہاج السنۃ ج1 ص229)

محدث ابن الانباری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"یہ مراد نہیں کہ صحابہ رضی اللہ عنہم بالکل معصوم ہیں اور ان سے گناہوں کا صدور
محال ہے بلکہ صرف مراد یہ ہے کہ اسباب عدالت اور تزکیہ کی طلب سے
متعلق بحث کے بغیر ان کی روایت قبول کی جائے گی سوائے اس صورت کے
کہ جب کسی امرِ قادح کے ارتکاب کا ثبوت مل جائے اور یہ ثابت نہیں۔"

(منهج الوصول الى اصطلاحات احاديث الرسول نواب سید صدیق حسن خان رحمۃ اللہ علیہ
ص:164، مولانا سعید احمد اکبر آبادی فاضل دیوبند کی کتاب فہم قرآن، ص:134)

3۔ کیا صحابہ رضی اللہ عنہم معیارِ حق ہیں؟

جب قرآن مجید کی طرف رجوع کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ وہاں کسی مقام پر بھی
صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے انفرادی افعال و اعمال کو ہمارے لیے مستقل اسوہ و مرجع قرار نہیں دیا گیا
بلکہ تمام مسلمانوں کے ساتھ خود صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بھی یہ تعلیم فرمائی گئی ہے کہ جب کسی معاملہ
میں تمہارے درمیان اختلاف پیدا ہو جائے تو اُسے اللہ اور رسول ﷺ کی طرف لوٹاؤ
(النساء:4/59) اس ارشاد پاک کے اولین مخاطب خود صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہی ہیں اور اس میں اللہ

تعالیٰ نے خود فیصلہ فرمادیا ہے کہ ایک ایک صحابی ﷜ بجائے خود معیارِ حق نہیں ہے بلکہ اختلاف کی صورت میں صحابہ ﷢ کیلئے بھی مرجع کتاب وسنت ہی ہے۔

ایک روایت اس سلسلہ میں عام طور پر بیان کی جاتی ہے کہ میرے اصحاب ستاروں کی مانند ہیں، ان میں سے جس کی بھی اقتداء کرو گے راستہ پالو گے۔ اس روایت اور اس سے ملتے جلتے الفاظ پر مشتمل بعض دیگر روایات کی سند محدثین اور فن رجال کے ماہرین کے نزدیک نہایت کمزور ہے۔ اس لیے عقائد واحکام کی بحث میں ان سے استدلال جائز نہیں بلکہ فضائل میں بھی ان کے ضعف کی صراحت کیلئے بغیر ان کا بیان کرنا صحیح نہیں ہے۔

حافظ امام ابن عبدالبر ﷫ نے "جامع بیان العلم" میں اس روایت کی سند نقل کر کے لکھا ہے: "یہ ایسی سند ہے جس کے سہارے کوئی حجت قائم نہیں ہوتی۔"

امام ابن حزم ﷫ لکھتے ہیں:

"یہ ہر اعتبار سے گری ہوئی روایت ہے۔ ایک جھوٹی، من گھڑت اور باطل خبر ہے جو صحیح ثابت نہیں ہوتی۔" (الاحکام ابن حزم)

امام ابن حجر ﷫ نے "تخریج کشاف" میں اس اور اس جیسی دوسری روایات کی ساری سندوں کا ذکر کر کے انہیں ضعیف اور واہی قرار دیا ہے۔

امام شوکانی ﷫ نے "ارشاد الفحول" ص:83 پر اجماع پر بحث کرتے ہوئے یہ روایت نقل کی اور لکھا: "اس کی سند میں کلام ہے جو معروف ہے اور تصریح کی کہ اس کا ایک راوی نہایت ضعیف اور دوسرا راوی امام ابن معین ﷫، کے نزدیک کذاب ہے اور امام بخاری ﷫ نے منکر الحدیث کہا ہے۔ امام ابن معین ﷫ نے کہا کہ یہ راوی ایک کوڑی کا بھی نہیں۔ ابن عدی ﷫ نے اس راوی کی روایات کو من گھڑت قرار دیا۔ امام ابن قیم ﷫ نے اعلام لموقعین، ج:2 القول فی التقلید میں ان روایات کو غیر صحیح ثابت کیا۔

امام شوکانی ﷫ کا قول فیصل "ارشاد الفحول، الفصل السابع فی الاستدلال، البحث الخامس فی قول صحابی" میں یہ ہے کہ قول صحابی حجت

نہیں۔ اللہ نے اس امت کی طرف صرف نبی علیہ السلام کو مبعوث فرمایا ہے۔ ہمارے لیے بس ایک ہی رسول علیہ السلام اور ایک ہی کتاب ہے۔ تمام امت اللہ کی کتاب اور اس کے نبی علیہ السلام کی اتباع پر مامور ہے اور اس معاملہ مین صحابہ وغیر صحابہ میں کوئی فرق نہیں۔ یہ سب کے سب تکالیف شرعیہ اور اتباع کتاب وسنت کے مکلّف ہیں جس شخص نے یہ کہا کہ اللہ کے دین میں کتاب وسنت یا جو کچھ ان دونوں کی طرف راجع ہوتا ہے، اس کے سوا کسی اور چیز سے بھی حجت قائم ہوسکتی ہے، اس نے دین کے بارے میں ایک بے ثبوت بات کہی۔''

4۔ صحابہ رضی اللہ عنہم سے گناہ کا سرزد ہونا

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بھی گناہ سرزد ہوئے مگر اسکا مطلب یہ نہیں کہ ان کی ساری بزرگی اور کرامت ختم ہوگئی۔ قرآن مجید کا ہی بیان ہے کہ نیکیاں گناہوں کو ختم کردیتی ہے۔(ھود 114/11) اگر کوئی یہ کہے کہ صحابہ سے گناہ سرزد ہی نہیں ہوسکتا تو یہ درست نہیں کیونکہ سورہ توبہ: 9/25-26، میں جنگ حنین کے روز بھاگنے والوں کو ڈانٹا گیا، آیت نمبر 81 تا 85 میں غزوہ تبوک میں شامل نہ ہونے والوں پر عتاب ہے۔ اسی طرح سورۃ جمعہ: 11/62 میں خطبہ جمعہ چھوڑ جانے والوں کو ٹوکا گیا۔ بخاری کتاب الحدود باب الضرب میں بعض صحابہ پر حد جاری ہونے کا بیان ہے۔ ایسی باتوں سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر حرف نہیں آتا کیونکہ زندہ وجود مسلمان بھی ہوسکتا ہے اور مرتد بھی ہوسکتا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زندگی میں بچھڑا پوجا گیا تو اس سے موسیٰ علیہ السلام پر الزام نہیں آتا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

> ''میں صحابہ رضی اللہ عنہم کیلئے امان ہوں اور صحابہ امت کے لیے امان ہیں۔ جب میں چلا جاؤں گا تو اصحاب پر وہ وقت آجائے گا جس کا وعدہ ہے (یعنی فتنہ و آزمائش کا) اور جب صحابہ رضی اللہ عنہم چلے جائیں گے تو میری امت پر وہ وقت آجائے گا جس کا وعدہ ہے۔'' (یعنی فتنہ وآزمائش کا)

(مسلم کتاب الفضائل باب بیان ان بقأ النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم امان لاصحابۃ و بقآء اصحابہٖ امان لامتہ)

5۔حدیث خیر القرون کی وضاحت

شاہ ولی اللہ نے اپنی کتاب ''حجۃ اللہ البالغہ'' کی دوسری جلد کے آخر میں اس حدیث کی وضاحت کی ہے۔شاہ صاحب لکھتے ہیں:

''یہ جو ایک قرن کو دوسرے قرن (دور) پر فضیلت دی گئی ہے اور اس کو دوسرے قرن سے افضل بتایا گیا تو اس کے یہ معنی ہرگز نہیں کہ اس قرن والوں کو ہر ایک حیثیت سے دوسرے قرن والوں پر فضیلت اور برتری حاصل ہے۔آپ ﷺ نے اس حدیث میں اس غلط فہمی کو رفع فرمایا اور اصل حقیقت کا اظہار کیا ہے کہ میری امت کی مثال بارش کی ہے یہ کوئی نہیں کہہ سکتا کہ اس کی ابتداء اعلیٰ و افضل ہے یا اس کا آخر بہتر ہے۔آپ ﷺ کی ایک اور حدیث ہے جس میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو مخاطب کر کے فرمایا کہ تم تو میرے اصحاب ہو، میرے بھائی وہ ہیں جو بعد میں آئیں گے۔''

(مسلم کتاب الطھارۃ باب استحباب اطالۃ الغرۃ والتحجیل فی الوضوء)

اس کا فلسفہ یہ ہے کہ ایک کو دوسرے سے افضل بتانے کی وجوہات مختلف ہوتی ہیں اور بعض اوقات ان میں تعارض ہوتا ہے اور یہ کہنا کسی صورت میں ممکن نہیں کہ جس قرن (دور) کو دوسرے کے مقابلہ میں افضل بتایا گیا ہے، اس کے ہر ہر فرد کو دوسرے دور کے ہر ہر فرد پر فضیلت حاصل ہو۔اور یہ ہو بھی کیسے سکتا ہے؟ جبکہ یہ امر واقعہ ہے اور سب اس کو مانتے ہیں کہ قرون فاضلہ (خیر القرون) میں بھی بعض ایسے افراد موجود تھے جن کے نفاق وفسق پر امت کا اتفاق واجماع ہے مثلاً حجاج بن یوسف، یزید بن معاویہ، مختار ثقفی اور قریش کے چھوکرے جن کے ہاتھوں امت کی ہلاکت ہوئی اور جن کی بداعمالیوں، بدکرداریوں کا حال خود آنحضرت ﷺ نے بیان فرمایا۔اس بارے میں محقق اور قطعی بات یہی ہے کہ قرن اوّل کے جمہور قرن ثانی کے جمہور سے افضل تھے۔یہ مطلب ہرگز نہیں کہ اس کا ایک ایک فرد اس دوسرے دور کے ایک ایک فرد سے افضل ہوگا۔

6۔ صحابہ رضی اللہ عنہم میں ہر قسم کے لوگ شامل تھے

سورۂ توبہ :9/ 100 تا 102 میں صحابہ کے تین گروپ بیان ہوئے ہیں پہلا گروہ نیکیوں میں پہل کرنے والوں کا ہے یہ شروع میں کلمہ پڑھنے والے اور نیکیوں میں بہت آگے تھے۔ ان کے ساتھ وہ لوگ بھی شامل ہیں جو بعد میں ایمان لائے مگر انہوں نے پہلوں جیسی نیکیاں کر کے دکھادیں۔ ان دونوں گروہوں کے لیے آیت نمبر 100 میں فرمایا ''رضی اللہ عنہم و رضو اعنہ'' آیت 101 میں فرمایا کہ دوسرا گروپ منافقوں کا ہے۔ وہ نفاق میں اتنے ماہر تھے کہ ان کو صرف خدا جانتا ہے۔ ان کی تعداد کا اندازہ اسی سے کرلیں کہ جنگ احد کے موقع پر لشکر کے 1/3 حصہ کے برابر منافق بالکل ننگے ہو کر سامنے آگئے۔ آیت نمبر 102 میں تیسرے گروہ کا بیان ہے جو منافق نہیں تھے مگر ان کے اعمال ملے جلے تھے۔ ان کیلئے فرمایا شاید اللہ تعالیٰ ان کی توبہ قبول کرلے۔ ان کا معاملہ ملتوی ہے۔ ہمارے دور کے لوگ ہر ایک کو ''رضی اللہ عنہ'' کہتے ہیں حالانکہ یہ شان صرف ان کی ہے جو السابقون الاولون یا ان کے بہترین پیروکار تھے۔

سورہ آل عمران: 152/3 میں فرمایا: ''تم میں سے بعض دنیا کے طالب ہیں اور بعض آخرت کے۔'' یہ آیت جنگ احد کے بعد نازل ہوئی۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ، عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ، ابوطلحہ رضی اللہ عنہ، تینوں سے روایت ہے مگر امام ابن کثیر نے ایک لکھی کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس آیت کے نازل ہونے سے پہلے مجھے کوئی قسم دیتا تو میں کہہ دیتا کہ صحابہ میں دنیا کا طالب کوئی نہیں یہاں تک کہ یہ آیت نازل ہوئی۔''

(تفسیر ابن کثیر ج:1، ص:413 عربی)

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں زیادہ تعداد مخلص مومنوں کی تھی جن کی قربانیاں دین کی ترقی کا باعث بنیں۔ مگر یہ بھی حقیقت ہے کہ پکے منافق اور بعد میں بدل جانے والے لوگ بھی صحابہ میں گھسے ہوئے تھے اور ان پر بھی لفظ صحابی ہی بولا گیا۔ امام بخاری کتاب التفسیر سورہ توبہ باب فقاتلو آئمة الکفر انھم لا ایمان لھم کے تحت حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ

کی حدیث لائے ہیں جس میں راوی حدیث زید ابن وہب کہتے ہیں کو ہم حذیفہ رضی اللہ عنہ کے پاس بیٹھے تھے کہ انہوں نے فرمایا:

"یہ آیت جن لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی ہے ان میں سے اب صرف تین شخص باقی ہیں۔ اس طرح منافقوں میں سے اب بھی چار آدمی زندہ ہیں۔ میں ان کو جانتا ہوں ان میں سے ایک ایسا بوڑھا ہے کہ اگر وہ ٹھنڈا پانی پیئے تو اس کی ٹھنڈک تک محسوس نہیں کرتا۔"

سورہ توبہ: 9/101 میں فرمایا گیا ہے:

"بعض پکے منافق ایسے ہیں جن کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی نہیں جانتے۔ جنگ احد سے واپس مڑنے والے منافقوں کو بھی صحابی کہا گیا۔"

(ترمذی کتاب التفسیر سورہ نساء ، عن زید بن ثابت رضی اللہ عنہ)

بخاری کتاب التفسیر (سورہ المائدہ) **باب و کنت علیھم شھیداً ما دمت فیھم** کے تحت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے حدیث میں بیان ہے:

"میدان حشر میں کچھ لوگ میری امت میں سے حاضر کئے جائیں گے اور ان کو دوزخ کی طرف لے جایا جائے گا۔ میں کہوں گا اے رب یہ میرے صحابی ہیں۔ جواب ملے گا آپ نہیں جانتے انہوں نے آپ کے بعد کیا نئے کام کئے اور جب سے آپ ان سے جدا ہوئے یہ لوگ اسلام سے پھر گئے۔" مسند احمد میں روایت نمبر: 27022-27195-27081 بھی اسی سلسلہ میں ہیں۔"

یہ روایت بخاری، سورہ انبیاء کی تفسیر میں بھی آئی ہے۔ کتاب الرقاق **باب کیف الحشر** میں بیان **انا اعطینك الکوثر** میں، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے، انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے، سہل بن سعد ساعدی رضی اللہ عنہ سے، ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اور یہ بھی درج ہے کہ میں ان لوگوں کو پہچان لوں گا۔ بخاری ہی میں ان ابواب کے علاوہ دوسرے مقام پر

اور ترمذی میں ابواب صفة القیامه باب ما جاء فی شان الحشر، مسلم شریف کتاب الطهارة باب استحباب اطالة الغرة والتحجیل فی الوضوء میں بھی آئی ہے۔

مسلم شریف کتاب البر والصلة الادب باب نصر الاخ ظالماً او مظلوماً میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے جس میں حضور ﷺ نے رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی پر بھی لفظ صحابی بولا۔

سورہ فاطر: 32/5 میں بھی مسلمانوں کے تین گروپ بیان ہوئے۔

(1) اپنے آپ پر ظلم کرنے والے

(2) میانہ رو یعنی ملے جلے اعمال والے

(3) سابقون بالخیرات یعنی نیکوں میں آگے نکل جانے والے

تمام مسلمان گروہوں کی کتابوں کے تحقیقی مطالعہ، قرآن وحدیث پر غور وفکر کے بعد ایک عجیب صورت حال سامنے آتی ہے کہ حضور ﷺ کے مبارک زمانہ میں جو لوگ مسلمان ہوئے وہ دو طرح کے تھے۔ ایک گروہ آپ ﷺ کو نبی سمجھ کر سچا ایمان لانے والا تھا اور کچھ نے بادشاہ سمجھ کر تسلیم کر لیا تھا۔ یہ تقسیم احادیث میں صاف نظر آتی ہے۔ کچھ لوگوں کے ذہن میں آپ ﷺ کی رسالت جاگزیں نہ ہو سکی اور وہ آپ ﷺ کو ایک بادشاہ ہی سمجھتے رہے۔ صحابہ کو دی گئی بشارتیں نیک اعمال سے مشروط ہیں۔

(ابن قیم :الفوائد ،ص :17، مرقاۃ المفاتیح ملا علی قاری ، ج :1۔ ص : 28)

7۔ کیا مشاجرات صحابہ رضی اللہ عنہم بیان کرنا منع ہے؟

مشاجرات صحابہ کے متعلق یہ موقف درست نہیں کہ ان کو بیان نہ کیا جائے کیونکہ تمام کتابوں میں یہ سب کچھ لکھا جا چکا ہے جو دنیا پڑھ رہی ہے، تو بیان کرنے سے منع کرنا سمجھ میں نہیں آتا۔ ہاں یہ لازم ہے کہ روایت درست ہونی چاہیے۔ یہ موقف جماعت المسلمین کے بانی مسعود احمد بی ایس سی اور اہل حدیث عالم مولانا صلاح الدین یوسف کا بھی ہے اگرچہ وہ اس پر قائم نہیں رہے اور خود ضعیف روایات کا سہارا لینا شروع کر دیا۔ مشاجرات

صحابہ بیان کرنے کا مقصد صحابہ کو بدنام کرنا نہیں بلکہ صحیح اسلامی حکومت کی طرف لوگوں کو دعوت دینا ہے۔

یاد رکھو! اس سے بڑا شرک کوئی نہیں ہے کہ ہم کہیں اس واقعہ میں چونکہ فلاں بزرگ کا نام آتا ہے لہٰذا خاموش رہو۔ دین میں کہاں لکھا ہے کہ بڑا آدمی غلطی کرے تو تنقید نہ کرو۔ کیا صحابہ رضی اللہ عنہم انبیاء کرام علیہم السلام سے بڑے ہیں؟ قرآن مجید میں سیدنا آدم علیہ السلام کو ٹوکا گیا کہ منع کرنے کے باوجود شجر ممنوعہ کے پاس کیوں گئے (طٰہٰ :121/20) یہ بات ہر عالم برسر منبر بتاتا ہے۔ کیا اس سے سیدنا آدم علیہ السلام کی توہین ہوتی ہے یا ان کی نبوت کا انکار ہوتا ہے؟ کیا ان کی شان کا کوئی منکر ہے؟ اسی طرح سیدنا نوح علیہ السلام کو بیٹے کے بارے میں بات کرنے پر ٹوکا گیا اور انہوں نے اسی وقت معافی طلب کی۔ (ہود:11/ 46-47)

سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے باپ کے لیے دعا کی تو ٹوک دیا گیا (توبہ:114/9) موسیٰ علیہ السلام سے قتل خطا ہوا تو اس کو عمل شیطان کہا گیا (القصص : 28 / 15) خود رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سورہ تحریم:66/ 1 اور سورہ عبس :80/ 1 ٹوک دیا گیا۔ اب کوئی ماں کا لال ایسا ہے جو ان مثالوں کی بناء پر حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی توہین کا سوچ کر کافر ہو جائے؟ ان کے بلند مرتبے ان کے پاس ہی ہیں۔ ان سے صرف یہ ظاہر ہوتا ہے کہ سبوح قدوس صرف اللہ تعالیٰ ہے اس لیے پیر مہر علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا کہ سبحان اللہ کہہ سکتے ہیں، سبحان النبی نہیں کہہ سکتے، یہی توحید ہے کہ خدا جیسا کوئی نہیں۔

خود قرآن مجید میں صحابہ رضی اللہ عنہم کو کئی موقعوں پر ٹوک دیا گیا مثلاً جنگ اُحد میں بلا اجازت درّہ چھوڑنے والوں پر ناراضگی کا اظہار فرمایا۔ (آل عمران:152/3)

لہٰذا! بڑے لوگوں پر تنقید ہو سکتی ہے مگر تنقید اور گالیاں دینے میں فرق ہے۔ یہ شرک کی قسم ہے کہ بڑے آدمی سے غلطی ہو جائے تو خاموش رہو اور انکو تحفظ دو۔ غلط کام کا غلط نتیجہ ہی نکلے گا چاہے بڑے آدمی سے ہو۔

علامہ البانی رحمۃ اللہ علیہ سلسلۃ احادیث ضعیفہ میں لکھتے ہیں:

السلطان العادل المتواضع ظل الله ورحمه فی الارض یرفع له عمل سبعین صدیقا۔

یہ حدیث ابوبکرہ، انس، ابن عمر اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہم سے مختلف کتب میں روایت کی گئی ہے۔ جن میں فردوس دیلمی، الحکیم ترمذی، بزار، طبرانی کبیر، شعب الایمان للبیہقی، ابن نجار میں درج ہے۔ علامہ ناصر الدین البانی رحمۃ اللہ علیہ نے احادیث ضعیفہ ج:1، ص:492,491، حدیث نمبر 3348 تا 3353 میں ان روایات پر بحث کر کے لکھا ہے کہ یہ تمام موضوع یا ضعیف ہیں۔

چونکہ بادشاہ ظل اللہ والی تمام روایات جھوٹی ہیں لہٰذا ظالم بادشاہوں کے فتوؤں کی دین میں کوئی حیثیت نہیں۔

امام ابوعبداللہ قرطبی نے تفسیر قرطبی میں آیت منع غیبت کے تحت امام حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کے حوالہ سے لکھا ہے..... ”تین قسم کے لوگوں کے عیب بیان کرنا غیبت نہیں“

(1) صاحب بدعت

(2) علانیہ فاسق

(3) ظالم حاکم

امام سعد الدین تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ نے شرح المقاصد میں لکھا ہے کہ:

”صحابہ رضی اللہ عنہم سے جو محاربات و منازعات وقوع میں آئے وہ کتب تاریخ میں درج ہیں اور ثقہ لوگوں کی زبانوں پر مذکور ہیں، بظاہر اس امر پر دال ہیں کہ بعض صحابہ طریق حق سے تجاوز کر کے حد فسق و ظلم کو پہنچ گئے اور اس کا باعث کینہ اور عناد اور حسد اور شدت خصومت اور طلب ملک و ریاست اور شہوت نفسانی کی طرف میلان تھا، کیونکہ ہر صحابی معصوم اور ہر وہ شخص کہ جس نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ملاقات کی ہے، نیکی کے ساتھ موسوم نہ تھا۔“

(بحوالہ ارجح المطالب ص 577، عبیداللہ امرتسری)

''اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی ذہن میں رہے کہ نواصب عداوت اہل بیتؑ اور روافض عداوت صحابہ رضی اللہ عنہ کی وجہ سے معذور نہیں ہوں گے۔''

(تحفة اثناء عشریه شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی ص154 اردو)

امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ منہاج السنۃ ج:3،ص:176-177 پر لکھتے ہیں:

''دوقسم کے لوگ سیدھے راستہ سے ہٹ گئے ہیں۔ایک تو وہ لوگ ہیں جو صحابہ رضی اللہ عنہم پر ایسے اعتراض پکڑ کر بیٹھ گئے ہیں جو بخشش کا امکان رکھتے ہیں مگر وہ لوگ ان اعتراضات کو اچھال رہے ہیں۔ان کو صحابہ رضی اللہ عنہم کی کوئی نیکی نظر نہیں آتی۔دوسرے وہ لوگ ہیں جو صحابہ رضی اللہ عنہم کی غلطیوں کو بھی نیکی بنا بنا کر پیش کرتے ہیں۔یہ لوگ غلو میں اتنا آگے چلے جاتے ہیں کہ گناہ کو نیکی بنا دیتے ہیں۔غالی ان کی ایک برائی کو اچھال کر ان کی باقی نیکیوں پر پانی پھیر دیتے ہیں حالانکہ خارجیوں سمیت پوری امت مانتی ہے کہ نیکیاں کرنے والے کے گناہ بخشے جاتے ہیں۔''

8۔فتنہ ناصبیت

اس دور میں فتنہ ناصبیت بہت ترقی کر گیا ہے۔ناصبی دشمن اہل بیت علیہ السلام کو کہتے ہیں۔کراچی سے علانیہ کتابیں شائع ہو رہی ہیں جن پر لکھا ہوتا ہے ''ناصبی بھائیوں کے لئے'' وہ لوگ دفاع صحابہ کے نام پر صحیح حدیثوں کو رد کر رہے ہیں اور پرچار کر رہے ہیں کہ یزید امیر المومنین تھا، امیر معاویہ برحق اور علی و حسین علیہما السلام نعوذ باللہ جھوٹے تھے۔یہ تمام کاروائی جو دفاع صحابہ کے نام پر ہو رہی ہے، اہل حدیث و اہل سنت حضرات ہضم کر رہے ہیں۔اور یہ نہیں سوچتے کہ اس طرح ہم اپنے ہی گھر کو آگ لگا رہے ہیں۔جس طرح پہلے تین خلفاء رضی اللہ عنہم قابل احترام میں اسی طرح حضرت علی علیہ السلام اور ان کی اولاد بھی قابل احترام ہیں۔ناصبیوں کے نزدیک صحابہ صرف وہ لوگ ہیں جنہوں نے اسلامی حکومت کو تباہ کیا حالانکہ قیامت تک آنے والی اس امت کی مصیبتوں کے وہی ذمہ دار ہیں۔انہوں نے

انقلاب نبوی ﷺ کو الٹ دیا اور ابن خلدون کے الفاظ میں انقلاب الخلافة الی الملك پر عمل پیرا ہوئے۔

یاد رکھو! اسلام میں کوئی خرابی نہیں، یہ مشین بالکل ٹھیک ہے مگر چلانے والوں کی غلطی کی وجہ سے نظام خراب ہو گیا چاہے وہ کتنے نیک تھے۔ نظام اسلام میں کوئی خرابی نہیں یہ دین برحق اور بالکل صحیح ہے۔ مگر ناصبی نظام چلانے والوں کی غلطی تسلیم نہیں کرتے بلکہ اسلام کو زیر عتاب لے آتے ہیں۔ اسی وجہ سے غیر مسلم یہ کہتے ہیں کہ اسلام صرف 30 سال تک چلا، اس لئے یہ قابل عمل نہیں ہے۔ اس اعتراض کا صحیح حل کرنے کی بجائے ناصبی شخصیات کا دفاع شروع کر دیتے ہیں۔ حالانکہ سارا مواد بخاری و مسلم سمیت حدیث کی معتبر کتابوں میں ہے۔ ناصبی یا تو احادیث کو چھپاتے ہیں یا ان کو ردّ کر دیتے ہیں تا کہ ان کے ممدوح مجروح نہ ہوں۔

خلافتِ راشدہ اور اس کی خصوصیات

اِس بابرکت نظام کی پہلی خصوصیت یہ ہے کہ حکمران لوگوں کی آزاد مرضی سے چنا جاتا ہے۔ لوگ بغیر کسی دباؤ یا لالچ کے خود اپنی رضا و رغبت سے اسے پسند کر کے بیعت کرتے ہیں۔ اس بارے میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے الفاظ یہ بھی آتے ہیں:

> ''کہ جس شخص کو مشورے کے بغیر حکومت دی جائے اس کے لئے اس کا قبول کرنا حلال نہیں ہے۔'' (فتح الباری ج:2، ص:125، امام ابن حجر)

خلیفہ راشد لوگوں کے مشورہ کے بغیر کوئی کام نہیں کرتا۔ کتاب اللہ و سنت رسول میں کوئی حکم نہ ملتا تو قوم کے سرکردہ اور نیک لوگوں کو جمع کر کے مشورہ کیا جاتا۔ پھر جو رائے قرار پاتی اس کے مطابق فیصلہ کیا جاتا۔ مشورے کے بارے میں خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کا تصور یہ تھا کہ اہل شوریٰ کو پوری آزادی کے ساتھ اظہار رائے کا حق ہے۔

بیت المال کو خدا اور خلق کی امانت سمجھا جاتا تھا۔ اس میں نہ خلافِ قانون کچھ آتا نہ خلاف قانون شریعت کچھ خرچ کیا جاتا۔ حکمرانوں کی ذاتی اغراض کیلئے خرچ کو حرام سمجھا

جاتا تھا۔ یہی بادشاہی اور خلافت میں بنیادی فرق ہے۔

حکومت کی ذمہ داری کو خلفائے راشدین بوجھ سمجھتے تھے اور لوگوں سے توقع رکھتے تھے کہ وہ صحیح کام میں ساتھ دیں گے اور اور غلط کام پر ٹوک دیں گے۔ وہ خود کو قانون سے بالا تر نہیں سمجھتے تھے بلکہ قانون کی نگاہ میں خود کو عام آدمی کے برابر قرار دیتے تھے۔

ان کی حکومت ہر قسم کی قبائلی، نسلی اور وطنی عصبیتوں سے پاک تھی۔ اس خلافت کی سب سے اہم خصوصیت تنقید اور اظہار رائے کی آزادی تھی۔ وہ ہر وقت اپنی قوم کی دسترس میں تھے۔ وہ خود اہل شوریٰ کے درمیان بیٹھتے اور مباحثوں میں حصہ لیتے تھے۔ ان کی کوئی سرکاری پارٹی نہ تھی نہ ان کے خلاف کوئی پارٹی تھی۔ شوریٰ سے کچھ چھپایا نہ جاتا اور تمام فیصلے دلیل کی بنیاد پر کئے جاتے۔

خلافت راشدہ روشنی کا مینار تھا جس کو تمام ادوار کے محدثین وفقہا اور عام مسلمان اسلام کے مذہبی، سیاسی، اخلاقی اور اجتماعی نظام کے معاملہ میں معیار سمجھتے رہے۔ خلافت راشدہ کا اختتام ہی مسلمانوں کی فرقہ بندی کی اصل وجہ ہے کہ ملوکیت کے نظام میں کوئی ایسا معتمد ادارہ موجود نہ رہا جو اختلافات کو بروقت حل کر سکے۔

خلافت 30 سال تک ہے

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

”میرے بعد خلافت تیس سال تک ہے پھر ملکِ عضوض یعنی کاٹ کھانے والی بادشاہت ہے۔“

(البانی سلسلة الاحادیث الصحیحه ج:1، ص 520، حدیث 459، ابوداؤد حدیث نمبر 4646، ترمذی کتاب الفتن باب ماجاء فی الخلافه، ابن حبان حدیث نمبر 1535، سیر اعلام النبلاء للذهبی ج:4، ص :79، الجواب الصحیح امام ابن تیمیه ج:4، ص :138)

مولانا محمد منظور نعمانی رحمۃ اللہ علیہ (تبلیغی جماعت والے) اپنی کتاب ”معارف الحدیث“

کی جلد 7 میں سیاست کے عنوان کے تحت اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

''امیر معاویہ ان خلفاء میں شامل نہیں جو حضور علیہ السلام نے بیان فرمائے۔ امام ابن حجر فتح الباری ج: 12، ص: 392، پر لکھتے ہیں کہ امیر معاویہ کو جو خلیفہ کہتے ہیں تو یہ لغوی معنوں میں ہے۔ خلافت علی منہاج النبوت 30 سال تک تھی۔ پھر معاویہ اور ان کے بعد آنے والوں کو بے شک لوگ خلیفہ کہتے ہیں مگر ان کا طریقہ بادشاہوں کا تھا۔''

امام ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فتح الباری، ج: 12، ص: 392 پر لکھتے ہیں کہ حدیث ہے:

''خلافت میرے بعد 30 سال تک ہے اس سے مراد خلافت نبوت ہے اور معاویہ اور بعد والے بادشاہوں کے طریقے پر تھے چاہے ان کا نام خلیفہ رکھو۔''

اہل حدیث عالم مولانا شمس الحق عظیم آبادی رحمۃ اللہ علیہ ابوداؤد کی شرح ''عون المعبود'' ج: 4، ص: 342 پر لکھتے ہیں:

''امام مناوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا خلافت ختم ہونے کے بعد یعنی 30 سال کے بعد بادشاہت ہے۔ کیونکہ خلیفہ کا نام صرف ان کے لیے ہے جو سنت نبوی پر چلتے رہے اور مخالفِ سنتِ نبوی بادشاہ تھے، خلیفہ نہ تھے۔ ہاں ان بادشاہوں کو خلیفہ کہہ دیتے ہیں کیونکہ ایک کے بعد دوسرا جو آیا (یہ صرف لغت کے مطابق ہے نہ کہ دین کے مطابق) مولانا عبدالرحمٰن مبارکپوری رحمۃ اللہ علیہ اہل حدیث عالم ترمذی کی شرح تحفۃ الاحوذی ج: 3، ص: 230 پر لکھتے ہیں کہ حضرت سفینہ رضی اللہ عنہ صحابی نے کہا پہلا بادشاہ معاویہ ہے اور خلافت نبوت سے مراد خلافت کاملہ لی جاتی ہے اور وہ صرف 5 اشخاص میں منحصر ہے (حضرت حسن علیہ السلام تک) لہٰذا جب 12 خلفاء کی بات آئے تو اس کے خلاف نہیں کیونکہ وہ مطلق حکمرانوں کی بات ہے۔''

شاہ عبدالعزیز دہلوی رحمۃ اللہ علیہ تحفہ اثناء عشریہ ص 363 پر لکھتے ہیں:

''کل اہل سنت متفق ہیں اس بات پر کہ معاویہ بن ابی سفیان شروعِ امامت حضرتِ امیر رضی اللہ عنہ سے اس وقت تک کہ حضرت امام حسن علیہ السلام نے اس کے سپرد کی، باغیوں میں سے تھا کہ امام وقت کا مطیع نہ تھا۔ اور جب حضرت امام رضی اللہ عنہ نے حکومت اس کے سپرد کر دی تو بادشاہوں سے ہوا...... اسی واسطے اہل سنت اس کو کہتے ہیں کہ اسلام میں اول بادشاہ وہ ہوا ہے۔''

مولانا ابوالکلام آزاد رحمۃ اللہ علیہ ''مسئلہ خلافت ص: 23 باب خلافت خاصہ وملوکی'' میں لکھتے ہیں:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے :'' خلافت میرے بعد تیس سال تک ہے پھر بادشاہت ہے۔'' جیسا کہ اصحاب سنن نے لکھا ہے۔

مولانا محمد میاں استاد دارالعلوم دیوبند ماہنامہ دارالعلوم دیوبند بابت دسمبر 1965ء میں لکھتے ہیں:

''عہد خلافت راشدہ کے بعد داعیِ اسلام تمام دولتیں (حکومتیں) اپنے اپنے دولتی قصروں (حکومتی محلوں) کی تعمیر، فرعون کے دولتی نقشہ (مطلقية ادارہ غیر مسئول) کے مطابق کر کے اسلام اجتماعی کو پس پشت ڈال کر قرآن حکیم کے فرامین سیاسی کو زیر پا کر چکی ہیں۔ اس لیے ان کو نبوت کے عادل دربار سے ملوک عضوض اور شاہان جبارہ کا غیر اسلامی خطاب مل چکا ہے۔''

مولانا عبیداللہ انور دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''کہ امیر معاویہ نے قیصر وکسریٰ کی سنت کے مطابق بادشاہت کا سلسلہ قائم کر دیا۔'' (رسالہ خدام الدین لاہور، 22 جون 1962)

مولانا شاہ معین الدین ندوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ امیر معاویہ تاریخ اسلام کے پہلے مطلق العنان اور مُستَبِد بادشاہ ہیں اس لیے ان کے عہد میں خلافت راشدہ کی جمہوریت اور اس کا طریق جہان بانی تلاش کرنا بے سود ہے۔''

(غیر مہاجر وانصار صحابہ ج:1، ص:74)

خلافت اور ملوکیت کا فرق اور ملوکیت کا جبر

ایک ناصبی خالد بن عبداللہ القسر ی گورنر مکہ تھا۔ ولید بن عبدالملک نے تمام گورنروں کو حکم دیا تھا کہ وہ خطبہ جمعہ میں حجاج بن یوسف کی تعریف کیا کریں۔ حجاج وہ ظالم تھا جس کے بارے میں مسلم شریف میں حدیث ہے کہ بنی ثقیف میں ایک مبیر (خون بہانے والا) پیدا ہوگا۔ حجاج نے ایک لاکھ بیس ہزار آدمی چھری سے ذبح کرائے تھے جیسا کہ ترمذی کی صحیح حدیث میں بیان ہے۔ یہ خالد بن عبداللہ القسر ی ہر جمعہ حجاج کی تعریف کیا کرتا تھا۔

ولید بن عبدالملک کے بعد سلیمان بن عبدالملک تخت پر بیٹھا۔ وہ حجاج بن یوسف کا دشمن تھا۔ سلیمان نے حکم دیا کہ جمعہ کے خطبہ میں حجاج بن یوسف پر لعنت کی جائے۔ اب ذرا ملوکیت کا جبر اور ماتحتوں کی دانش فروشی ملاحظہ ہو۔ وہی خالد القسر ی جو حجاج کی تعریف کیا کرتا تھا، وہ سوچنے لگا کہ پچھلے جمعہ تک تو میں حجاج کی تعریف کرتا رہا، اب اس پر لعنت کیسے کروں؟

اس کا حل اس نے یہ نکالا کہ خطبہ میں حمد و ثناء کے بعد کہا کہ ابلیس ملائکہ میں شامل تھا، فرشتے اس کو بہت اچھا جانتے تھے مگر اللہ تعالیٰ کو پتہ تھا کہ یہ اندر سے خراب ہے۔ اس نے آزمائش کی تو ابلیس فیل ہوگیا۔ تب اللہ تعالیٰ نے اس پر لعنت کی۔ اس طرح ہم حجاج کی ظاہری نیکیاں دیکھ کر اس کو اچھا سمجھتے رہے۔ مگر وہ ابلیس کی طرح نکلا اور ہمارے امیر المومنین سلیمان بن عبدالملک کو اللہ تعالیٰ نے وہ بات بتادی جو ہمیں معلوم نہیں تھی۔ اب ان کی طرف سے حکم آیا ہے لہٰذا لعنت اللہ علیہ!

یہ ملوکیت کا ایک نمونہ ہے۔ یہ ساری کہانی ایک کتاب **غایۃ المرام** میں موجود ہے جو ام القریٰ یونیورسٹی مکہ نے شائع کی ہے۔ اس میں حضور علیہ السلام کے دور سے لے کر 900 ہجری تک مکہ کے تمام گورنروں کے حالات لکھے ہیں۔

تغیّر کا آغاز

اس بات کو سمجھنے کیلئے بہت پیچھے جانا پڑے گا تا کہ پتہ چلے کہ بیماری ایک دن میں نہیں آتی۔ نبی علیہ السلام کے دور میں معاشرہ کیسا تھا اور بعد میں کس طرح آہستہ آہستہ تبدیلی آتی گئی۔ حضرت علی علیہ السلام کی باری جب آئی تو ان کی حکومت کو چلنے نہ دیا گیا کیونکہ معاشرہ ان کے قابل نہ رہا تھا۔ علی علیہ السلام ان کے کسی کام کے نہ تھے۔ لوگ جس راہ پر چل پڑے تھے۔ اس پر علی علیہ السلام جیسا خلیفہ ان کو درکار نہ تھا۔ علی علیہ السلام کے بارے میں ان کو معلوم تھا کہ وہ اصول سے ادھر ادھر نہیں ہوتے۔ جو کچھ قرآن وسنت میں حکم ہے، وہ اس پر کاربند رہتے چاہے حکومت رہے نہ رہے یا گورنر بگڑ جائیں۔ لوگوں کو دنیاوی زندگی پیاری ہو چکی تھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد جلد ہی وہ وقت آ گیا جس کا خطرہ آپ علیہ السلام محسوس فرماتے تھے۔

حضرت ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما کے دور میں بہت تیزی سے فتوحات ہوئیں اور علاقہ بہت وسیع ہو گیا۔ ہمارے دیکھنے میں ہر بات بہت اچھی نظر آتی ہے جبکہ یہی بات مثالی اسلامی معاشرے کی بربادی کا سبب بنی۔ ان نئے آنے والوں کی ویسی تربیت نہ ہو سکی جیسی صحبت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں میسر تھی۔ مملکت میں توسیع ضرور ہوئی مگر معاشرے میں استحکام نہ ہو سکا، اس لیے لوگوں میں بری عادات پیدا ہونا شروع ہو گئیں۔ تربیت کا فرق تو سورہ انفال 8/65-66: میں بیان فرمایا گیا کہ پہلے ایک مسلمان دس کافروں پر بھاری تھا پھر ایک دو کا مقابلہ رہ گیا۔ تعداد زیادہ ہو گئی تھی مگر تربیت میں فرق تھا۔ جو لوگ شروع سے مسلمان تھے ان میں اور بعد میں مسلمان ہونے والوں کا فرق واضح تھا۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایسی صورت حال کے بارے میں بہت فکر مند تھے۔ امام ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فتح الباری ج:11 میں حدیث نمبر 6425 کے تحت لکھتے ہیں:

"حضرت مسور بن مخرمہ حضرت عمرو بن عوف بدری رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابو عبیدہ ابن الجراح رضی اللہ عنہ کو بحرین سے جزیہ لانے بھیجا۔ وہ جب جزیہ کا مال لے کر آئے تو اگلے دن سب انصار نے فجر

کی نماز اپنی اپنی مسجد میں پڑھنے کی بجائے مسجد نبوی میں ادا کی جب رسول کریم ﷺ نے سلام پھیرا تو سب آگے ہو گئے۔ آپ ﷺ یہ دیکھ کر مسکرائے اور فرمایا میرا خیال ہے تمہیں ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کے آنے کی خبر مل گئی ہے۔ انصار رضی اللہ عنہم نے عرض کیا ہاں! فرمایا خوش ہو جاؤ! تمہاری پسند تمہیں مل گئی۔ اللہ کی قسم! مجھے تمہارے بارے میں غریبی کا ڈر نہیں بلکہ مجھے یہ ڈر ہے کہ دنیا تم پر فراخ کر دی جائے گی جیسے تم سے پہلوں پر فراخ کر دی گئی تھی۔ پھر تم دنیا حاصل کرنے میں ایک دوسرے سے آگے نکلنے کی کوشش کرو گے جیسے تم سے پہلے لوگوں نے کیا جیسے نہیں مال نے اللہ سے غافل کر دیا تھا، ویسے ہی تمہیں مال اللہ سے غافل کر دے گا۔''

اگرچہ زر بھی جہاں میں ہے قاضی الحاجات
جو فقر سے ہے میسر، تو نگری سے نہیں

ایسا ہی دوسری احادیث میں فرمایا۔ اس حدیث کی صداقت کی گواہی مسلمانوں کی 14 سو سال کی تاریخ دیتی ہے کہ جب علاقے فتح ہو گئے تو خدا کی طرف دھیان کم اور دنیا کی طرف زیادہ ہو گیا۔ حضور ﷺ فرماتے تھے:

''میرا وجود غنیمت جانو۔ جب میں اُٹھ گیا تو صحابہ میں فتنے میں آ جائیں گے اور جب صحابہ رضی اللہ عنہم اٹھ گئے تو باقی امت میں اور فتنے آ جائیں گے

(صحیح مسلم معاشرۃ نبی ﷺ)

حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ ابن الربیع اسیدی کاتب وحی تھے۔ ترمذی شریف کی شرح تحفۃ الاحوذی ج:3، ص:321 پر ان سے مروی ایک حدیث کے تحت لکھا ہے:

''وہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے پاس سے گزرے اور رو رہے تھے، انہوں نے پوچھا حنظلہ کیا بات ہے؟ انہوں نے کہا ابو بکر حنظلہ منافق ہو گیا۔ پوچھا کیا بات ہوئی کہنے لگے جب ہم رسول کریم ﷺ کی مجلس میں ہوتے ہیں اور

وہ جنت دوزخ کا بیان فرماتے ہیں تو اس وقت ہمارا حال یہ ہوتا ہے جیسے ہم اپنی آنکھوں سے جنت دوزخ کو دیکھ رہے ہوتے ہیں۔ جب واپس آ کر بیوی بچوں اور زمینوں میں مصروف ہو جاتے ہیں تو وہ باتیں ہم بھول جاتے ہیں اور وہ اثر باقی نہیں رہتا۔ یہ فرق مجھے منافقت نظر آتی ہے۔ ابو بکر رضی اللہ عنہ نے کہا اللہ کی قسم ہمارا ابھی یہی حال ہے۔ میرے ساتھ چل تا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جا کر اپنا حال کہیں۔ پھر وہ دونوں حضور نبوی گئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا حنظلہ رضی اللہ عنہ کیا بات ہے؟ انہوں نے ساری بات عرض کی۔ سن کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اگر تمہارا ہر وقت وہی حال رہتا جو میری مجلس میں ہوتا ہے تو فرشتے تم سے تمہاری مجلسوں، بستر اور بازاروں میں مصافحہ کرتے۔ یہ وقت وقت کی بات ہے۔'' مسلم شریف میں فرمایا جب آسمان سے ستارے ختم ہو گئے تو آسمان ختم ہو گئے تو آسمان ختم ہو جائے گا اور جب میں دنیا سے چلا گیا تو صحابہ رضی اللہ عنہم میں فتنے آ جائیں گے۔ (تحفۃ الاحوذی، ج:3، ص:321)

بخاری شریف میں روایت ہے جس میں فرمایا:

''میں تمہارے گھروں میں فتنے اس طرح گرتے ہوئے دیکھ رہا ہوں جیسے بارش کے قطرے گرتے ہیں۔''

(بخاری کتاب المناقب با ب علامات النبوۃ فی الاسلام، کتاب الفتن باب قول النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ویل للعرب من شر قد اقترّب اور باب لایاتی زمان الا الذی بعدہ شر منہ)

''شراب ام الخبائث ہے۔''

(صحیح الجامع الصغیر ج:1 ص 232، حدیث: 3344، صحیحہ، ج:4، حدیث: 1854)

مگر بہت زمانہ نہیں گذرا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں ہی لوگ شراب پینا شروع ہو گئے۔ یہ فتوحات کا نتیجہ تھا۔ عربوں نے جب عراق اور شام کے باغات والے علاقے دیکھے تو

پھر عیش و آرام میں پڑ گئے، کبوتر بازی شروع کر دی جس بات کا اندیشہ حضور ﷺ نے ظاہر فرمایا تھا، وہی شروع ہو گئی۔ اتنے لوگ شراب پینا شروع ہو گئے کہ سزا بڑھانا پڑی۔

''حضور ﷺ کے دور میں اور ابو بکر رضی اللہ عنہ کے دور میں یا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے شروع زمانہ میں، جب شرابی کو لایا جاتا تو صحابہ کہتے ہیں کہ ہم اٹھتے تھے، کوئی ہاتھوں سے مارتا، کوئی جوتے مارتا۔ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا دور آیا تو شراب عام ہو گئی۔ پھر آپ نے 40 کوڑے مقرر کیے۔ جب لوگ حد سے گذر گئے اور فاسق ہو گئے تو پھر 80 کوڑے مقرر کیے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو خبر ملی کہ سمرہ نے شراب بیچی انہوں نے کہا اللہ سمرہ کو تباہ کرے اسے فرمان نبوی کا علم ہے کہ اللہ تباہ کرے یہودیوں کو جب ان پر حرام ہوئی چربی تو انہوں نے اسے گلایا۔

(صحیح بخاری حدیث : 6779 ،نسائی کتاب الفرع و العتیرة باب النھی من الانتقاع بماحرم اللہ عزوجل)

جب عراق و شام فتح ہوئے، زرخیز علاقے ہاتھ آئے، عربوں نے وہاں کا معیار زندگی دیکھا تو صحابہ رضی اللہ عنہ نے بھی اعلیٰ عمارتیں بنانا شروع کر دیں۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ یہ صورت حال برداشت نہ کر سکے۔ انہوں نے کہا کہ مجھے حضور ﷺ نے فرمایا تھا ''جب مدینہ سلع پہاڑ تک وسیع ہو جائے تم شہر چھوڑ دینا اس وقت یہاں دین بہت تھوڑا رہ جائے گا۔'' وہ شام چلے گئے۔ یہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا دور تھا۔ انہوں نے شام میں دیکھا کہ حاکم محلات میں رہتا ہے۔ وہاں انہوں نے اعتراض کیا کہ حاکم (امیر معاویہ) سونا چاندی جمع کر رہا ہے اور غریب بھوکے مر رہے ہیں۔ اس پر امیر معاویہ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو شکایت کی۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے واپس بلا لیا اور کہا تم حکومت کے خلاف پراپیگنڈہ کرتے ہو۔ معاویہ نے مجھے لکھا ہے کہ اگر شام

چاہئے تو ابوذر رضی اللہ عنہ کو واپس بلالیں۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے کہا میں حکومت کے خلاف نہیں بلکہ حاکموں کے سونے چاندی کے ڈھیر اکٹھے کرنے کے خلاف ہوں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے فرمایا تھا: ''اگر احد پہاڑ بھی سونے کا ہو تو شام سے پہلے اسے خیرت کر دینا۔'' حاکم دولت اکٹھی کر رہے ہیں اور لوگ بھوکے مر رہے ہیں۔ پھر ان سے کہا گیا کہ مدینہ چھوڑ دیں۔ ان کو ربذہ کے علاقہ میں جلاوطن کر دیا گیا۔

(بخاری کتاب الزکاۃ باب ما ادّ زکاۃ فلیس بکنز، کتاب التفسیر باب والذین یکنزون الذھب والفضہ مسلم کتاب الزکوٰۃ باب تغلیظ عقوبۃ من لایودی الزکوٰۃ)

مالِ غنیمت کی کثرت اور خوبصورت لونڈیوں نے لوگوں کا ذہن بدل دیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی سختی ان لوگوں کے آگے بند باندھے تھی۔ لوگ حضرت عمر رضی اللہ عنہ جیسے حکمران کی بجائے نرم حکمران چاہتے تھے جو ان کے عیش میں رکاوٹ نہ بنے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے وہ لوگ پناہ مانگتے تھے کہ وہ کسی کا لحاظ نہ کریں گے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے بارے میں جانتے تھے کہ نرم طبیعت ہیں، وہ سختی نہ کریں گے۔ یہ پہلا سبب ہے جس کی بنا پر لوگوں نے حضرت علی علیہ السلام پر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو ترجیح دی۔

جب پھسلنے پر آئے تو بڑے سے بڑا آدمی پھسل جاتا ہے۔ حضرت قدامہ رضی اللہ عنہ ابن مظعون بدری صحابی تھے۔ وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سالے اور حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا و عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے ماموں تھے۔ وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بحرین میں گورنر تھے۔ انہوں نے بحرین میں شراب پینا شروع کر دی۔ وہاں سے حضرت جارود رضی اللہ عنہ صحابی آئے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کہا کہ میں نے بحرین میں یہ کام دیکھا ہے، صبر نہ کر سکا اور آپ کو اطلاع دینا میرا فرض تھا۔ حضرت نے کہا بیٹھ جا۔ بعد میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ آئے۔ انہوں نے کہا قدامہ کے شراب پینے کی گواہی میں بھی دیتا ہوں۔ ان کو بھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا بیٹھ جا۔ حضرت جارود رضی اللہ عنہ

کہنے لگے کہ میں نے حق بات بیان کی ہے۔ آپ کا سالا شراب پیتا ہے اور آپ مجھے بات کرنے سے روک رہے ہیں۔ اگر آپ کو یقین نہیں تو قدامہ رضی اللہ عنہ کی بیوی ہند بنتِ عقبہ سے پوچھ لیں۔ اس خاتون سے پوچھا گیا تو انہوں نے کہا کہ ہاں قدامہ رضی اللہ عنہ شراب پیتے ہیں۔ جب قدامہ رضی اللہ عنہ کو بلایا گیا تو انہوں نے کہا ہاں پیتا ہوں اور علانیہ پیتا ہوں۔ ساتھ ہی انہوں نے سورہ المائدہ: 5/93 تلاوت کی جس میں فرمایا گیا کہ جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے، ان پر ان چیزوں کا کچھ گناہ نہیں جو وہ کھا چکے۔ پھر کہا کہ ہم سے بڑا صاحبِ ایمان اور نیک عمل والا اور کون ہے لہذا ہمیں شراب پینے کا کچھ گناہ نہیں۔ عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کوئی اس کا منہ بند کرو۔ اگر ایمان و عمل صالح والا جو چاہے کھائے پئے تو قصہ ختم ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے کہا قدامہ رضی اللہ عنہ نے قرآن کی بدترین تاویل کی۔ نیک عمل تو خود تقاضا کرتا ہے، کہ شراب سے بچو۔ اسی سورہ میں ہے کہ شراب منع ہے اس سے بچو۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے قدامہ کو 80 کوڑے لگوائے۔ (تفسیر قرطبی، ج:6، ص:298-297)

دوسرا کام جس سے اسلام کو نقصان پہنچا وہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت علی علیہ السلام کے فیصلہ کی خلاف ورزی تھی۔ ان کا فیصلہ یہ تھا کہ کوئی چاہے پہلے ایمان لایا ہو یا بعد میں، کوئی قریشی ہو، یا مہاجر یا انصار، آزاد ہو یا غلام ہو، سب کو بیت المال سے مساوی وظیفہ ملے گا۔ اس دنیا میں مرتبہ کی وجہ سے وظیفہ میں فرق نہیں کیا جائے گا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے برابر اصرار کرتے رہے کہ مرتبہ کے حساب سے تفضیل ہونی چاہیے۔ قریشی و مہاجر صحابہ رضی اللہ عنہ کو زیادہ وظیفہ ملنا چاہیے۔ مگر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نہیں مانے۔ ان کا کہنا تھا کہ ثواب خدا سے تعلق رکھتا ہے، دنیا میں سب مسلمانوں کے حقوق برابر ہیں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے دور میں یہ پالیسی بدل دی اور اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ اسلام میں سرمایہ داری کا آغاز ہو گیا۔ کچھ لوگ بہت امیر ہو گئے مثلاً حضرت طلحہ و زبیر و عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہم وغیرہ اور کچھ پیچھے رہ گئے۔ آخر عمر میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو احساس ہو گیا کہ یہ پالیسی غلط ہے۔ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

''حضرت عمرؓ نے کہا اگر میں اگلے سال تک زندہ رہا تو یہ پرچے پھاڑ دوں گا اور سب کو برابر دوں گا۔'' مگر وہ وقت نہ آیا۔

(فتح الباری ج:7،ص:490،بحوالہ امام دارقطنیؒ)

''حضرت عثمانؓ نے آ کر بجائے مساوی وظیفے دینے کے، جاگیریں دینا شروع کر دیں۔''

(شرح مسلم اکمال اکمال المُعْلِم ج :1، ص :134، علامہ ابی مالکیؒ)

اس طرح اسلام میں سرمایہ داری کے ساتھ جاگیرداری بھی شروع ہوگئی۔ نمازیں روزے باقی رہے مگر سوسائٹی کا رخ غلط ہوگیا۔ ان سب کی وجہ دو چیزیں بنیں۔ ایک تو فتوحات کے نتیجہ میں دولت کا سیلاب آ گیا۔ عرب جو گوہ کا گوشت کھاتے ،اونٹنی کا دودھ پیتے ان کو طرح طرح کے سامان عیش میسر آ گئے۔ خوبصورت لونڈیاں ہاتھ آ گئیں اور محلات بن گئے۔

دوسرا سبب دولت کی غیر مساوی تقسیم تھی۔ قانون قدرت بے لاگ ہے بڑے سے بڑا آدمی نیک نیتی سے ایسا کام کرے جو غلط ہو تو نتیجہ غلط ہی نکلے گا۔ غلطی اپنا اثر ضرور چھوڑتی ہے، جنگ اُحد میں صحابہؓ نے درّ بلا اجازت چھوڑا تو نتیجہ میں شکست ہوئی اور رسول کریم ﷺ زخمی ہوئے۔ حضرت عمرؓ نے مہاجرین کا وظیفہ جو بدر میں بھی شریک ہوئے 5,000 انصارؓ کا 4,000 احد میں شریک ہونے والوں کا 3000 درہم مقرر کیا۔ اس تفضیل کا نتیجہ چند سالوں میں طبقاتی تفادت کی شکل میں سامنے آیا۔ امیر بہت امیر اور غریب بہت غریب ہوگئے۔ حضرت عثمانؓ کے جاگیریں دینے کے عمل سے یہ تقسیم اور بڑھ گئی۔ امیر لوگ عیش کے عادی ہوگئے۔

لوگوں کو معلوم تھا کہ علی علیہ السلام آئے تو ہمیں واپس لوٹا دیں گے اور ہوا بھی یہی! جب علی علیہ السلام نے خلیفہ منتخب ہونے کے بعد پہلی تقریر فرمائی تو حضرت رسول کریم ﷺ کی دستار مبارک سر پر رکھی، آپ ﷺ کی کمان پہنی اور فرمایا:

''اللہ نے ہم پر انعام کیا، ہم میں سے رسول علیہ السلام کو بھیجا، اسلام جیسی دولت

عطا فرمائی اور ایمان نصیب کیا۔ یہ مال اگر میرا ذاتی مال بھی ہوتا تو سب میں برابر تقسیم کرتا لیکن یہ تو ہے ہی سب مسلمانوں کا بیت المال! پھر آپ نے خادم سے کہا تمام رقم گنو اور طلحہ وزبیر رضی اللہ عنہما کو 3/3 دینار دو اور اس غلام کو بھی 3 دینار دو۔ طلحہ رضی اللہ عنہ وزبیر رضی اللہ عنہ نے یہ دینار لینے سے انکار کر دیا اور جنگ جمل کو چل پڑے۔"

ولید بن عقبہ نے کہا:

"علی علیہ السلام! تم نے میرا باپ جنگ بدر میں قتل کیا تھا اور میرے چچا حکم بن عاص کا مذاق بھی اڑایا تھا جب اسے مدینہ بدر کیا گیا تھا اور اب مجھے 3 دینار غلاموں کے برابر دے رہے ہو؟"

حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا:

"جو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا طریقہ تھا وہی برقرار رہے گا اور سب کو برابر ملے گا۔" (شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید، ج:1)

یہ لوگ اسی وقت مسجد میں الگ ہو کر بیٹھ گئے اور کوئی شام چلا گیا، کوئی عراق چلا گیا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا دور

حضرت عمر رضی اللہ عنہ فتنوں کو روکنے والا دروازہ تھے۔ "شقیق بن سلمہ رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا کہ میں نے حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ صحابی سے سنا۔ انہوں نے کہا:

"ہم حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ انہوں نے لوگوں سے پوچھا تم میں سے کسی کو فتنوں کے باب میں رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو فرمایا: وہ یاد ہے۔ میں نے کہا: "مجھ کو جیسا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:" ویسا ہی یاد ہے۔" انہوں نے کہا: "تم تو دلیر ہو۔" میں نے کہا: "بات یہ ہے کہ آدمی کو جو فتنہ اس کے گھر بار یا مال یا اولاد یا ہمسایوں سے پہنچتا ہے وہ تو نماز، روزہ، صدقہ اچھی بات کا حکم کرنے، بری بات سے منع کرنے سے اتر جاتا ہے۔" حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے

کہا: ''میں اس فتنے کونہیں پوچھتا۔ میں تو وہ فتنہ پوچھتا ہوں جو سمندر کی موج کی طرح امنڈ آئیگا۔'' میں نے کہا اس سے آپ کو امیر المومنین کوئی ڈر نہیں۔ تمہارے اور اس فتنہ کے درمیان تو ایک بند دروازہ ہے۔'' حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: ''بتاؤ وہ دروازہ توڑا جائے گا یا کھولا جائے گا'' میں نے کہا: ''توڑا جائے گا۔'' انہوں نے کہا: ''پھر تو وہ کبھی بند ہی نہ ہوگا۔''

شقیق نے کہا ہم لوگوں نے حذیفہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا کیا عمر رضی اللہ عنہ اس دروازہ کو پہچانتے تھے؟ انہوں نے کہا بے شک جیسے اس کا یقین تھا کہ آج کی رات کل کے دن سے قریب ہے۔ میں نے ان سے ایک حدیث بیان کی جو اٹکل پچو نہ تھی۔ شقیق نے کہا ہم حذیفہ رضی اللہ عنہ سے یہ پوچھنے سے ڈرے کہ دروازہ سے کیا مراد ہے، ہم نے مسروق سے کہا تو انہوں نے حذیفہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا۔ حذیفہ رضی اللہ عنہ نے کہا: ''دروازہ خود حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہیں۔''

(بخاری کتاب مواقیت الصلوٰۃ باب الصلوٰۃ کفارۃ، کتاب المناقب باب علامات النبوۃ فی الاسلام ترمذی کتاب الفتن باب ماجاء فی النھی عن سب الریاح، مسلم کتاب الایمان باب رفع الامانۃ والایمان)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں انتظام بہت اچھا تھا

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا:

''میں خواب میں کنویں پر تھا۔ پانی نکال رہا تھا، اتنے میں ابو بکر رضی اللہ عنہ و عمر رضی اللہ عنہ آ پہنچے اور ابو بکر رضی اللہ عنہ نے ڈول لے لیا۔ ایک دو ڈول کھینچے مگر کمزوری کے ساتھ اللہ اس کو بخشے۔ اس کے بعد خطاب کے بیٹے نے یعنی حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ابو بکر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ سے ڈول لے لیا۔ وہ ڈول ان کے ہاتھ میں بہت بڑا ڈول بن گیا۔ میں نے لوگوں میں ایسا شہ زور نہیں دیکھا جوان جیسا کام کرے کہ لوگ اپنے اپنے اونٹوں کو خوب پلا کر بٹھانے کی جگہ لے گئے۔

(بخاری کتاب التعبیر باب نزع الماء من البئیر حتی یروی الناس، بخاری کتاب المناقب باب علامات النبوۃ فی الاسلام)

انصار رضی اللہ عنہم سے نیک سلوک کی وصیت

جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ زخمی ہو گئے تو شوریٰ بنانے کے بعد فرمایا:

"میرے بعد جو خلیفہ ہو میں اس کو وصیت کرتا ہوں کہ اگلے مہاجرین سے بھلائی کرتا رہے، ان کا حق پہچانے اور ان کی عزت کا خیال رکھے اور انصار کے ساتھ بھی بھلائی کرے جنہوں نے مدینہ میں جگہ دی اور ایمان پر ثابت قدم رہے۔ ان میں سے جو نیک ہے اس کی نیکی کی قدر کرے اور جو ان میں سے قصور کرے اس کے قصور سے درگزر کرے۔"

(بخاری کتاب الجنائز باب ما جاء فی قبر النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے تقویٰ کی گواہی از سیدنا علی علیہ السلام

حضرت علی علیہ السلام نے اپنے خطبہ میں فرمایا:

"فلاں شخص کی کارکردگیوں کی جزا اللہ دے۔ انہوں نے ٹیڑھے پن کو سیدھا کیا، مرض کا چارہ کیا، فتنہ وفساد کو پیچھے چھوڑ گئے۔ سنت کو قائم کیا، صاف ستھرے (نقی الثوب) دامن اور کم عیبوں کے ساتھ دنیا سے رخصت ہوئے۔ بھلائیوں کو پالیا اور ان کی شرانگیزیوں سے آگے بڑھ گئے ،اللہ کی اطاعت بھی کی اور اس کا پورا پورا خوف کھایا۔"

(خطبہ نمبر 225، نہج البلاغہ عربی ص 457، اردو ص 629)

ابن ابی الحدید نے تحریر کیا ہے کہ لفظِ فلاں سے کنایہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ہے۔ اور یہ کلمات انہی کی مدح وتوصیف میں کہے گئے ہیں جیسا کہ سید رضی کے تحریر کردہ نسخہ، نہج البلاغہ میں لفظ فلاں کے نیچے انہی کے ہاتھ کا لکھا ہوا لفظ عمر رضی اللہ عنہ موجود ہے۔ ابن ابی الحدید نے خیر ھا و شرھا کی ضمیر کا مرجع خلافت کو قرار دیتے ہوئے لکھا ہے کہ یہ کلمات ایسے شخص پر صادق آسکتے ہیں جو تسلط واقتدار رکھتا ہو، کیونکہ اقتدار کے بغیر ناممکن ہے کہ سنت کی

ترویج ہواور بدعت کی روک تھام ہو سکے۔

انتخاب ابوبکر کی وضاحت

بخاری شریف کتاب المحاربین باب رجم الحبلی من الزنا اذا احصنت میں حضرت عمرؓ کا وہ خطبہ منقول ہے جوانہوں نے انتخابِ ابوبکرؓ کی وضاحت فرماتے ہوئے مسجد نبوی میں دیا۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ بیان فرماتے ہیں کہ میں مہاجرین میں سے کئی لوگوں کو تعلیم دیا کرتا تھا۔ ان میں حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ بھی تھے۔ جب حضرت عمرؓ نے آخری حج کیا تو منیٰ میں ایک دن میں عبدالرحمٰن بن عوفؓ کے مکان میں تھا۔ وہ حضرت عمرؓ کے پاس گئے ہوئے تھے۔ اتنے میں وہ لوٹ کر آئے اور کہا کاش تم بھی یہ واقعہ دیکھتے۔ ایسا ہوا کہ ایک شخص (نام نامعلوم) آج حضرت عمرؓ کے پاس آیا۔ کہنے لگا امیر المومنین آپ فلاں شخص کے بارے میں کیا کہتے ہیں۔ وہ کہتا ہے کہ جب عمرؓ فوت ہوں گے تو میں فلاں (طلحہؓ بن عبیداللہ) سے بیعت کرلوں گا۔ کیونکہ خدا کی قسم ابوبکرؓ کی بیعت بھی تو اچانک ہوگئی تھی۔ یہ سن کر حضرت عمرؓ بہت غصے ہوئے۔ اس کے بعد کہنے لگے ان شاء اللہ میں شام کو لوگوں میں کھڑا ہو کر خطبہ سناؤں گا اور ان کو ان لوگوں سے خبردار کروں گا جو حکومت پر زبردستی قبضہ کرنا چاہتے ہیں۔ عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے کہا امیر المومنین ایسا نہ کیجئے۔ یہ حج کا موسم ہے یہاں ہر قسم کے لوگ جمع ہیں۔ جب آپ خطبہ سنانے کھڑے ہوں گے تو آپ کے پاس وہ جمع ہو جائیں گے۔ میں ڈرتا ہوں کہ آپ جو کہیں گے وہ لوگ اس کا نہ جانے کیا مطلب لیں۔ اس لیے مناسب یہی ہے کہ آپ ٹھہر جائیں۔ جب آپ مدینہ پہنچیں جو ہجرت اور سنت کا مقام ہے۔ وہاں آپ کو شریف اور سمجھ دار لوگ ملیں گے وہاں اطمینان سے جو چاہیں فرمائیں۔ وہ لوگ علم والے ہیں وہ آپ کی گفتگو یاد بھی رکھیں گے اور جو صحیح مطلب ہے وہی بیان کریں گے۔ حضرت عمرؓ نے کہا اچھا خدا کی قسم میں مدینہ جا کر سب سے پہلے اسی موضوع پر تقریر کروں گا۔ ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ پھر ہم مدینہ میں اس

وقت آئے جب ذوالحجہ کا مہینہ ختم ہونے والا تھا۔ جمعہ کے دن سورج ڈھلتے ہی نماز پڑھنے چلے۔ مسجد میں پہنچ کر دیکھا تو سعید بن زیدؓ بن عمر بن نفیل منبر کے بالکل پاس بیٹھے ہیں۔ میں بھی ان کے پاس بیٹھ گیا اور میرے گھٹنے ان کے گھٹنوں سے لگ رہے تھے۔ تھوڑی دیر نہیں گزری کہ حضرت عمرؓ آئے۔ جب میں نے ان کو آتے دیکھا تو میں نے سعید بن زید ؓ سے کہا آج حضرت عمرؓ وہ باتیں کہیں گے جو خلافت کے وقت سے لے کر آج تک نہیں کہیں۔ انہوں نے میری بات نہیں مانی اور کہنے لگے مجھے تو نہیں لگتا کہ وہ ایسی بات کہیں گے جو آج تک نہیں کہی۔

جب حضرت عمرؓ منبر پر بیٹھے، موذن خاموش ہوئے تو وہ کھڑے ہوئے۔ پہلے اللہ تعالیٰ کی تعریف کی، پھر کہنے لگے میں تم سے ایسی بات کہتا ہوں جس کا کہنا میری تقدیر میں لکھا تھا۔ مجھ کو معلوم نہیں شاید یہ گفتگو موت سے پہلے میری آخری گفتگو ہو۔ پھر جو کوئی اس بات کو سمجھے اور یاد رکھے، اس پر لازم ہے تو کہ جہاں تک اس کی اونٹنی پہنچے اس بات کو مشہور کرے اور جو کوئی نہ سمجھے تو میں کسی کیلئے درست نہیں جانتا کہ وہ مجھ پر جھوٹ بولے۔

پھر حضرت عمرؓ نے رجم کے مسائل اور بعض دوسری باتوں کے بعد فرمایا کہ مجھ کو یہ خبر بھی پہنچی کہ تم میں سے کسی نے یہ کہا اگر عمرؓ مر گئے تو میں فلاں شخص کی بیعت کرلوں گا۔ دیکھو تم میں سے کسی کو یہ دھوکہ نہ ہو باوجود اس کے کہ ابوبکرؓ کی اچانک بیعت ہوئی اور چل گئی اور اللہ تعالیٰ نے اچانک بیعت کی خرابی سے تمہیں بچالیا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ تم میں ابوبکرؓ جیسا کون ہے جس کی ملاقات کیلئے لوگ سفر کرتے ہوں؟

جس نے کسی کی بیعت بغیر مسلمانوں کے مشورہ کے کی، تو دونوں قتل کردیئے جائیں۔ ابوبکرؓ کی بیعت کا حال یہ ہے کہ جب نبی ﷺ کی وفات ہوگئی تو انصار ہمارے خلاف ہوگئے اور سب جا کر بنی ساعدہ کے ڈیرے پر اکٹھا ہوگئے۔ ادھر حضرت علی علیہ السلام اور حضرت زبیرؓ اور ان کے ساتھی بھی غیر حاضر تھے۔

لیکن باقی سب مہاجرین حضرت ابوبکرؓ کے پاس جمع ہوگئے۔ میں نے ابوبکرؓ

سے کہا چلو اپنے انصاری بھائیوں کے پاس چلتے ہیں۔ہم اس ارادے سے نکلے۔جب ان کے قریب پہنچے تو رستے میں دو نیک انصاری آدمی ملے۔انہوں نے بتایا کہ انصار نے یہ فیصلہ کیا ہے یعنی سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کو خلیفہ بنانے کا۔انہوں نے ہم سے پوچھا کہ آپ کہاں جارہے ہیں؟ ہم نے کہا اپنے انصاری بھائیوں کے پاس جارہے ہیں۔انہوں نے کہا دیکھو وہاں مت جاؤ اور تم نے جو کرنا ہے کرو۔میں نے کہا خدا کی قسم ہم ضرور اُن کے پاس جائیں گے۔آخر ہم گئے۔دیکھا کہ ان میں ایک آدمی کپڑا لپیٹے لیٹا ہے۔میں نے پوچھا یہ کون ہے؟ لوگوں نے کہا یہ سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ ہیں۔میں نے پوچھا انہیں کیا ہوا؟ انہوں نے کہا ان کو بخار ہے۔تھوڑی دیر ہم وہاں بیٹھے۔اتنے میں ان کے خطیب (ثابت رضی اللہ عنہ بن قیس بن شماس یا کسی اور) نے اللہ کی جیسی چاہئے تعریف کی اور کہا:

"ہم انصار اللہ ہیں اور اسلام کی فوج ہیں تم مہاجرین تھوڑے لوگ ہو اور تمہاری چھوٹی سی ٹکڑی اپنی قوم سے نکل کر ہم میں آرہے۔اب تم لوگ یہ چاہتے ہو کہ ہمارے بیخ کنی کرو اور ہم کو خلافت سے محروم کر کے خود خلیفہ بن بیٹھو۔"

جب خطیب خاموش ہوا تو میں نے گفتگو کرنا چاہی، میں نے ایک عمدہ تقریر اپنے ذہن میں تیار کر رکھی تھی۔میں نے چاہا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے بات کرنے سے پہلے میں بات شروع کر دوں اور انصار کی تقریر سے ابوبکر رضی اللہ عنہ کو جو غصہ ہوا ہے اسے دور کر دوں۔جب میں نے بات کرنا چاہی تو ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا ذرا ٹھہر۔میں نے ان کو ناراض کرنا برا جانا۔آخر انہوں نے تقریر شروع کی اور خدا کی قسم وہ مجھ سے زیادہ عقل مند اور مجھ سے زیادہ سنجیدہ تھے۔میں نے جو اپنے دل میں سوچا تھا اس میں سے انہوں نے کوئی بات نہیں چھوڑی بلکہ اس سے بھی بہتر بات کی۔انہوں نے کہا:

"انصاری بھائیو! تم نے جو فضیلت اور بزرگی بیان کی وہ سب درست ہے اور تم بے شک اس کے لائق ہو مگر خلافت قریش کے سوا کسی خاندان کے لیئے نہیں ہو سکتی کیونکہ قریش نسب کے لحاظ سے عرب میں سب سے بڑھ کر

ہیں اب تم ایسا کرو ان دو آدمیوں میں سے کسی کی بیعت کرلو۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے میرا اور ابو عبیدہ بن الجراح کا ہاتھ تھاما۔ وہ ہم لوگوں میں بیٹھے ہوئے تھے۔ مجھ کو حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی کوئی بات اتنی بری معلوم نہ ہوئی جتنی یہ بات۔ خدا کی قسم میری گردن ماردی جائے اگر میں کسی گناہ میں مبتلا نہ بھی ہوں اور پھر بھی تو یہ مجھ کو زیادہ پسند تھا کہ میں اِن لوگوں کی سرداری کروں جن میں حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ موجود ہوں۔ میرا اب تک یہی خیال ہے۔ یہ اور بات ہے کہ مرتے وقت میرا نفس مجھ کو بہکا دے اور میں کوئی دوسرا خیال کروں۔ پھر انصار میں سے ایک کہنے والا (حُباب بن منذر رضی اللہ عنہ) یوں کہنے لگا سنو! سنو! میں وہ لکڑی ہوں جس سے اونٹ اپنا بدن رگڑ کر کھجلی کی تکلیف رفع کرتا ہے اور میں وہ باڑ ہوں جو درخت کے گرد لگائی جاتی ہے۔ میں ایک عمدہ تدبیر بتاتا ہوں۔ ایسا کرو اے قریش ایک خلیفہ تم میں سے ہو اور ایک انصار میں سے ہو (یعنی باری باری خلیفہ بنیں)

(فتح الباری ج:12 ص153)

اس پر شور مچ گیا کوئی کچھ کہنے لگا اور کوئی کچھ، میں ڈر گیا کہ مسلمانوں میں پھوٹ پڑ جاتی ہے۔ آخر میں نے کہا ابو بکر رضی اللہ عنہ اپنا ہاتھ بڑھاؤ۔ میں اور ابو عبیدہ نے اُن کی بیعت کر لی۔ پھر انصاریوں نے بیعت کی۔ اس کے بعد ہم سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کی طرف بڑھے۔ ایک انصاری نے کہا تم نے سعد کو قتل کر ڈالا۔ میں نے کہا: اللہ اس کو قتل کرے۔"

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"اس وقت ہم کو ابو بکر رضی اللہ عنہ کی خلافت سے زیادہ کوئی چیز ضروری معلوم نہ ہوئی کیونکہ ہم کو ڈر تھا کہیں ایسا نہ ہو کہ بیعت ہونے سے پہلے ہم لوگوں سے الگ ہوں اور وہ کسی اور سے بیعت کر بیٹھیں۔ تب یا تو پھر ہم بھی اس کی

بیعت کرتے یا مخالفت کرتے اور آپس میں فساد پیدا ہوتا۔ دیکھو میں پھر کہتا ہوں جو شخص کسی سے بغیر مسلمانوں کے مشورہ کے بیعت کرے تو باقی اس کی بیعت نہ کریں اور وہ دونوں قتل کئے جائیں۔
پھر اس کے بعد حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی دوبارہ بیعت مجمع عام میں ہوئی۔"

(بخاری کتاب الاحکام باب الاستخلاف)

مسلمانوں کا سب سے پہلا فرض حاکم مقرر کرنا ہے

بعض لوگ ان حالات میں سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ کے خلیفہ مقرر کرنے پر اعتراض کرتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جنازہ کو چھوڑ کر مسلمان اس کام میں مشغول ہو گئے۔ اس بارے میں بہترین جواب سیدنا علی علیہ السلام کا ہے۔
امیر المومنین علی علیہ السلام اپنے ایک مکتوب میں امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو لکھتے ہیں:
"شوریٰ کا حق صرف مہاجرین و انصار کو ہے۔ وہ اگر کسی پر ایکا کریں اور اسے خلیفہ سمجھ لیں تو اس میں اللہ کی رضا و خوشنودی سمجھی جائے گی۔"

(نهج البلاغه مکتوب نمبر 6، ص:656-657)

حکمران کو عربی میں رئیس القوم کہتے ہیں اور سر کو رأس کہتے ہیں۔ حکمران قوم کا دماغ ہوتا ہے۔ اگر سر کٹ جائے یا خراب ہو جائے تو سارا جسم بے کار ہو جاتا ہے۔ اسی طرح اگر حکمران خراب ہو جائے تو دین کا سارا نظام اور قوم تباہ ہو جاتی ہے، جس قوم کے امراء وعلماء بگڑ جائیں تو وہ قوم پھر باقی نہیں رہتی۔ حکمران کا مسئلہ تمام مسائل سے زیادہ اہم ہے۔ قیادت نکیل پکڑ کر چلانے کو کہتے ہیں۔ سیاست کیا ہے؟ ساس الفرس یعنی گھوڑے کا انتظام کرنا، اسی سے لفظ سائیس نکلا ہے یعنی منتظم، امت کی سیاست یہ ہے کہ دانا اور دیانت دار امت کے معاملات کا انتظام کریں۔ سیاست MANAGEMNET کو کہتے ہیں۔ سیاست اتنا مقدس کام ہے کہ نبی

اسرائیل کی سیاست ان کے انبیاء کرتے تھے۔

(بخاری، کتاب الانبیاء باب ماذکر عن نبی اسرائیل۔ مسلم کتاب الامارة باب الامام جُنّة)

حکمران چننا نماز روزے سے بڑھ کر اَھَمُّ الو اَجبات شمار کیا گیا ہے۔ آج کل تو ہر چیز حکومت کے قبضہ میں ہے۔ اگر حکمران غلط ہو تو دین و قوم کا خدا ہی حافظ ہے۔ دنیا بھر کے علم کا نچوڑ یہ ہے کہ برسرِ کار آدمی دانا اور دیانتدار ہو، پھر دوسری شرط یہ ہے کہ قوانین صحیح اور انصاف پر مبنی ہوں، تب انصاف ملے گا، ان دونوں میں سے ایک نہ ہو تو معاملات درست نہ ہوں گے۔ سورہ نسا: 58/4 میں اللہ تعالیٰ نے یہ دونوں باتیں جمع کر دی ہیں۔ فرمایا:

''خدا تمہیں حکم دیتا ہے کہ امانتیں ان کے سپرد کر دو جو اس کے اہل ہیں اور جب لوگوں میں فیصلہ کرو تو انصاف سے کرو۔''

نبراس شرح عقائد نسفی میں ہے کہ اس بات پر اجماع ہے کہ نصبِ امام واجب ہے۔ حتیٰ کہ جنازہ نبوی سے بھی یہ بات ضروری سمجھی گئی کیونکہ خطرہ تھا امت کا سارا نظام تباہ ہو جائے گا اور مسلمانوں کا اتفاق ختم ہو جائے گا۔ حضور ﷺ کو دفن کرنے سے بھی یہ معاملہ مقدم سمجھا گیا اور بعد میں سنت بن گئی کہ جو حکمران فوت ہو اس کے دفن سے پہلے یہ انتظام ہوگا۔ اس سے پتہ چلا کہ سب کاموں سے اہم نصب امام یعنی حکمران مقرر کرنا ہے۔ دوسری طرف عقل بھی یہ بتاتی ہے کہ سارے دین کا دارومدار حکمران پر ہے اور بہت سے واجبات شرعیہ کا تعلق حکمران سے ہے۔ یہ بات عقل اور اصولِ فقہ دونوں میں ہے کہ جس واجب کیلئے کوئی چیز ضروری ہو اس چیز کا مہیا کرنا بھی واجب ہے، ان کی مثالیں دیتے ہوئے لکھا ہے کہ دین کے بعض احکام سوائے حکمران مقرر کرنے کے نافذ ہی نہیں ہو سکتے جیسا کہ شرح مواقف میں لکھا ہے:

''مسلمانوں کا ایک حکمران ہو جو شرعی احکام اور نفاذ حدود کا اجراء کرے مثلاً حد زنا و شراب و بہتان، سرحدوں کی حفاظت، لشکروں کی تیاری، زکوٰۃ کی

وصولی، ناجائز قبضہ کرنے والوں سے چیزیں واپس لینا، چوروں ڈاکوؤں کا خاتمہ، جمعہ وعیدین کا انتظام، جھگڑوں کے فیصلے، مقدمات میں شہادتیں لینا، حقوق ادا کروانا، لاوارثوں کے معاملات کی دیکھ بھال، مالِ غنیمت کی تقسیم، اوراس طرح کے اور کام جو قرآن وحدیث میں بیان ہوئے ہیں۔''

پہلے دو خلفاء کی فضیلت۔خلافت محفوظہ وخلافت مفتونہ

قرآن مجید میں فرمایا گیا ہے:

''بعض رسولوں علیہم السلام کو بعض پر فضیلت دی گئی۔''

اسی طرح خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم میں سے پہلے دو خلفاء کو فضیلت حاصل ہے۔ پہلے دو کی خلافت، خلافت محفوظہ ہے اور دوسری دو خلافتیں راشدہ ضرور ہیں مگر مفتونہ ہیں یعنی آزمائش سے پُر ہیں۔ سیدنا علی علیہ السلام نے اپنا سر دے کر درستگی کی کوشش ضرور کی مگر بات نہ بنی۔ یہ بات شاہ اسماعیل رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب منصب امامت ص:114-115 پر لکھی ہے۔

ملاعلی قاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''نبوت کی طرز کی خلافت حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ ختم ہوگئی اس کے بعد خلیفہ نیک مگر انتظام خراب ہوگیا۔

(عون المعبود شرح ابی داؤد علامہ شمس الحق عظیم آبادی ج:4،ص339)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے فضائل

حضور علیہ السلام نے فرمایا:

''اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہوتے۔

(سلسلة الاحاديث الصحيحه، البانی رحمہ اللہ، ج:2،ص :582، حديث نمبر 327،صحيح الجامع الصغير، ج:2، ص :935)

حضور علیہ السلام نے جنت میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا محل دیکھا

(بخاری كتاب الفضائل، باب فضائلِ عمرؓ، حديث نمبر 3682-7023)

جب حضور ﷺ اُحد پہاڑ پر تشریف لے گئے تو پہاڑ ہلنے لگا۔ اس وقت آپ علیہ السلام نے اس پر قدم مبارک مار کر فرمایا:

''ٹھہر جا تیرے اوپر نبی ہے، صدیق ہے اور شہید ہیں۔'' ان حضرات میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی شامل تھے۔''

(سلسلة الاحاديث الصحيحه البانى ج:2، حديث :875، ص 558تا562)

ایک دِن حضرت عمر رضی اللہ عنہ بیت المال کا اونٹ ڈھونڈنے تشریف لے گئے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا کہ کسی خادم کو بھیج دیا ہوتا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا عمر رضی اللہ عنہ سے بڑھ کر اس امت کا کون خادم ہے؟

(البدايه والنهايه امام ابن كثير ج:7، ص :150)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا زخمی ہونا، شوریٰ، شہادت اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا انتخاب

ہم سے موسیٰ بن اسمٰعیل نے بیان کیا کہا ہم سے ابوعوانہ نے انہوں نے حصین سے انہوں نے عمرو رضی اللہ عنہ بن میمون سے انہوں نے کہا میں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ان کے زخمی ہونے سے چند دن پہلے مدینہ میں دیکھا وہ حذیفہ رضی اللہ عنہ بن الیمان اور عثمان رضی اللہ عنہ بن حنیف کے پاس ٹھہرے کہنے لگے تم نے (عراق کے ملک میں) کیا یہ اندیشہ تو نہیں کہ تم نے زمین پر ایسی جمع نہ لگائی ہو جس کی گنجائش نہ ہو انہوں نے کہا نہیں ہم نے اتنی ہی جمع مقرر کی ہے جتنی زمین میں طاقت تھی کچھ بہت زیادہ نہیں ہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا دیکھو پھر سمجھ لو تم نے ایسی جمع تو نہیں لگائی ہے جس کی زمین میں گنجائش نہ ہو۔ انہوں نے کہا نہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا خیر اگر اللہ نے مجھ کو سلامت رکھا تو میں عراق والوں کی بیوہ عورتوں کو ایسا بے نیاز کر دوں گا کہ میرے بعد ان کو کسی مرد کی احتیاج نہ رہے عمرو بن میمون نے کہا اس گفتگو پر چوتھا دن ہوا تھا کہ وہ زخمی کیے گئے اور جس دن وہ صبح کو زخمی ہوئے اس دن میں ایسے مقام پر کھڑا تھا کہ میرے اور ان کے بیچ میں عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے سوا کوئی نہ تھا ان کی عادت تھی جب نمازیوں کی دو صفوں میں سے گزرتے تو فرماتے سیدھے ہو جاؤ صف برابر کرو جب دیکھتے کہ صفوں میں کوئی خلل نہیں رہا

اس وقت آگے بڑھ کر تکبیر کہتے (یعنی تکبیر تحریمہ) اور اکثر ایسا ہوتا کہ وہ سورہ یوسف یا سورہ نحل یا ایسی ہی سورتیں پہلی رکعت میں پڑھا کرتے تا کہ لوگ جمع ہو جائیں (ان کو جماعت مل جاوے) خیر انہوں نے تکبیر کہی تھی اتنے میں میں نے سنا کہ وہ کہہ رہے ہیں (کمبخت) کتے نے مجھے مار ڈالا یا کہا کاٹ لیا پھر وہ مردود پارسی دو دھاری چھری لیے ہوئے بھاگا اور (دائیں بائیں) جو مسلمان ملا اس کو ایک ضرب لگا دی یہاں تک کہ تیرہ آدمیوں کو زخمی کر دیا۔ ان میں سے سات شخص مر گئے یہ حال دیکھ کر ایک مسلمان نے اس پر چادر پھینکی جب اس نے سمجھا کہ اب میں پکڑا گیا تو اپنا گلا آپ کاٹ لیا اور حضرت عمرؓ نے عبداللہ الرحمٰن بن عوفؓ کا ہاتھ پکڑ کر ان کو امام کر دیا (کہ نماز پوری کرو) جو لوگ حضرت عمرؓ کے قریب تھے انہوں نے تو یہ سب حال دیکھا اور دور والے مقتدیوں کو خبر ہی نہیں ہوئی مگر قرأت میں انہوں نے حضرت عمرؓ کی آواز نہ سنی سبحان اللہ سبحان اللہ کہنے لگے عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے جلدی سے ہلکی پھلکی نماز پوری کی جب نماز سے فارغ ہوئے تو حضرت عمرؓ نے عبداللہ بن عباسؓ سے کہا دیکھو تو میرا قاتل کون ہے ایک گھڑی تک وہ گھومے (خبر لیتے رہے) پھر آئے کہنے لگے مغیرہ کا غلام ہے حضرت عمرؓ نے پوچھا وہی کاریگر غلام؟ انہوں نے کہا ہاں۔ حضرت عمرؓ نے کہا اللہ اس کو تباہ کرے میں نے اس کے لیے انصاف کا حکم دیا تھا۔ پھر کہنے لگے شکر اللہ کا اس نے مجھ کو ایسے شخص کے ہاتھ سے قتل نہیں کرایا جو اپنے تئیں مسلمان کہتا ہو ابن عباسؓ تم اور تمہارے والد یہ چاہتے تھے کہ پارسی غلام مدینہ میں خوب آباد ہوں ابن عباسؓ نے کہا اگر آپ کہیں تو ان سب غلاموں کو قتل کروا دوں حضرت عمرؓ نے کہا یہ کیا لغو بات ہے جب انہوں نے تمہاری

زبان عربی بولی اور تمہارے قبلے کی طرف نماز پڑھی اور تمہاری طرح حج کیا خیر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو گھر اٹھا کر لائے ہم بھی ان کے ساتھ ہی گئے ایسا معلوم ہوتا تھا گویا مسلمانوں پر اس سے پہلے کوئی ایسی مصیبت نہیں گزری، کوئی کہتا تھا کہ کوئی ڈر کا مقام نہیں کوئی کہتا تھا مجھ کو تو ڈر ہے (وہ جاں بر نہ ہوں گے) آخر شربت ان کے پلانے کو لائے انہوں نے پیا تو پیٹ سے باہر نکل گیا پھر دودھ لائے وہ بھی زخم سے باہر نکل پڑا جب سب نے جان لیا وہ بچنے والے نہیں عمرو بن میمون کہتے ہیں ہم ان کے پاس گئے لوگ آئے ان کی تعریف کر رہے تھے اتنے میں ایک جوان (انصاری آیا کہنے لگا امیر المومنین خوش ہو جاؤ اللہ نے جو نعمت تم کو عنایت فرمائی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صحبت سے مشرف ہوئے اور بہت لوگوں سے پہلے اسلام لائے تم خود جانتے ہو پھر حاکم بنے تو عدل اور انصاف کے ساتھ حکومت کی ان سب کے بعد شہادت ہاتھ آئی، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا حکومت کی نسبت تو میری آرزو یہ ہے کاش برابر سرابر چھوٹ جاؤں نہ ثواب ملے نہ عذاب نہ وبال بڑھے، جب وہ جوان جانے لگا اس کا تہبند گھسٹ رہا تھا (اتنا نیچا تھا) آپ نے فرمایا اس جوان کو پھر بلاؤ جب وہ آیا تو فرمانے لگے میرے بھتیجے ذرا اپنا ازار اونچا رکھ تیرا کپڑا ابھی میلا نہ ہوگا اور تیرے پروردگار کا حکم بھی ادا ہوگا پھر عبداللہ اپنے صاحبزادے سے کہنے لگے دیکھو تو میرے اوپر قرضہ کتنا ہے لوگوں نے حساب کیا تو چھیاسی ہزار درہم یا کچھ ایسا ہی قرضہ نکلا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا اگر میری اولاد کا مال اس قرضہ کو کافی ہو تو ان کے مالوں میں سے یہ قرض ادا کر دینا ورنہ (میری قوم بنی عدی بن کعب سے سوال کرنا، اگر ان سے بھی یہ قرض ادا نہ ہو سکے تو قریش کے لوگوں سے مانگنا بس قریش کے سوا اوروں سے نہ مانگنا دیکھو اس طرح میرا قرض ادا کر دینا اور تو حضرت

عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس جا ان سے یوں کہہ عمر آپ کو سلام کہتا ہے یہ نہ کہنا کہ امیر المومنین آپ کو سلام کہتے ہیں آج میں مسلمانوں کا امیر نہیں ہوں (کیونکہ اب مُردوں میں داخل ہوں دوسرے ایسی تکلیف میں ہوں کہ امارت کا کام نہیں کرسکتا) خیر سلام کے بعد یوں کہنا عمر رضی اللہ عنہ آپ سے اجازت مانگتا ہے اگر اجازت دیجئے تو وہ اپنے دونوں ساتھیوں کے ساتھ حجرے میں دفن ہو۔ عبداللہ گئے ان سے اندر آنے کی اجازت مانگی اندر گئے تو دیکھا وہ خود حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے غم میں بیٹھی رو رہی ہیں خیر عبداللہ نے کہا عمر رضی اللہ عنہ بن خطاب آپ کو سلام کہتے ہیں اور آپ سے اپنے ساتھیوں کے پاس دفن کی اجازت چاہتے ہیں انہوں نے کہا وہ جگہ تو میں نے اپنے لیے رکھی تھی مگر آج میں ان کو اپنی ذات پر مقدم رکھوں گی جب عبداللہ لوٹ کر آئے تو لوگوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کہا یہ عبداللہ آ گئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا مجھ کو ذرا اٹھاؤ ایک شخص نے ان کو اٹھا کر اپنے اوپر ٹیکا دے لیا۔ انہوں نے عبداللہ سے پوچھا کہہ کیا خبر لایا عبداللہ نے کہا وہی جو آپ کی آرزو تھی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اجازت دے دی۔ کہنے لگے الحمدللہ اس سے بڑھ کر میرا اور کوئی مطلب نہ تھا اب جب میں مر جاؤں تو میرا جنازہ اٹھا کر لے جانا اور (باہر ہی سے) ان کو سلام کہنا اور کہنا عمر خطاب کا بیٹا آپ سے اجازت چاہتا ہے۔ اگر وہ اس وقت بھی اجازت دیں تو میری لاش حجرے میں لے جانا (وہاں دفن کر دینا) ورنہ مسلمانوں کے قبرستان (بقیع) میں دفن کر دینا، ام المومنین حفصہ رضی اللہ عنہا اپنے والد کی خبر سن کر کئی عورتیں ساتھ لیے آئیں جب ہم نے ان کو دیکھا تو ہم سب کھڑے ہو گئے وہ باپ کے پاس گئیں اور گھڑی بھر روتی رہیں پھر مردوں نے اندر آنے کی اجازت مانگی مردوں کے گھستے ہی وہ اندر چلی گئیں ہم وہیں سے ان کے رونے کی آواز

سنتے رہے لوگوں نے کہا اے امیر المومنین کسی کو خلیفہ نامزد کر دیں انہوں نے کہا خلافت کا حق داران چند لوگوں سے زیادہ کوئی نہیں جن سے آپ ﷺ مرتے دم تک راضی رہے انہوں نے علی رضی اللہ عنہ اور عثمان رضی اللہ عنہ اور زبیر رضی اللہ عنہ اور طلحہ رضی اللہ عنہ اور سعد رضی اللہ عنہ اور عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کا نام لیا اور کہا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ (مشورے میں) تمہارے ساتھ شریک رہے گا مگر خلافت میں اس کا کوئی حق نہیں یہ عبداللہ کو تسلی دینے کے لیے کہا پھر اگر خلافت سعد کو مل گئی تو بہتر ہے ورنہ سعد سے مدد لیتا رہے اور میں نے جو (کوفہ کی حکومت سے) ان کو موقوف کر دیا تھا تو اس کی وجہ یہ نہیں کہ وہ لیاقت نہ رکھتے تھے یا انہوں نے کچھ خیانت کی تھی یہ بھی کہا کہ میرے بعد جو خلیفہ ہو میں اس کو یہ وصیت کرتا ہوں کہ مہاجرین اوّلین کے حقوق پہچانے اور ان کی عزت اور حرمت کا خیال رکھے اور یہ وصیت کرتا ہوں کہ انصار سے عمدہ سلوک کرے جنہوں نے اوروں سے پہلے ایمان کو جگہ دی اور دارالایمان (یعنی مدینہ) میں ٹھکانہ بنایا جو ان میں نیک لوگ ہیں ان کی قدر کرے اور جو قصور وار ہوں ان سے درگزر کرے اور دوسرے شہروں کے مسلمانوں سے بھی اچھا سلوک کرے کیونکہ وہ اسلام کی قوت کے بازو ہیں انہی کی وجہ سے آمدنی ہوتی ہے کافر ان کو دیکھ کر غصے ہوتے ہیں ان سے رضا مندی کے ساتھ اتنا ہی روپیہ لیا جائے جو ان کے پاس ان کی ضرورتوں سے بچ رہتا ہو میں یہ بھی اس کو وصیت کرتا ہوں کہ عرب لوگوں سے عمدہ سلوک کرے کیونکہ اسلام کی جڑ یہی لوگ ہیں اور اسلام کا مادہ انہی سے بنا ہے اور زکوٰۃ میں ان کے وہی مال لیے جائیں جو عمدہ اور اعلیٰ نہ ہوں پھر انہیں کے محتاجوں کو دے دیے جائیں میں یہ بھی وصیت کرتا ہوں کہ ذمی کافروں کی بھی جو اللہ اور رسول کے ذمہ میں آئے ہیں خبر رکھے اپنا عہد جو اُن سے کیا ہے پورا کرے ان کو

ان کے دشمنوں سے بچائے ان سے اتنا ہی کام لے جتنا وہ کر سکتے ہیں خیر جب (تیسرے روز) ان کا انتقال ہوا اور ہم ان کا جنازہ لے کر پیدل نکلے تو عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے عائشہ رضی اللہ عنہا کو سلام کیا اور کہا عمر بن خطاب آپ سے اجازت مانگتے ہیں انہوں نے کہا لاؤ ان کو اندر لاؤ وہ اسی حجرے میں اپنے دونوں ساتھیوں کے ساتھ دفن کیے گئے جب ان کے دفن سے فراغت ہوئی تو یہ چھ آدمی جن کے عمر رضی اللہ عنہ نے نام لیے تھے ایک جگہ اکٹھے ہوئے عبدالرحمٰن بن عوف نے کہا ایسا کرو تم چھ آدمی تین آدمیوں کو اپنے میں سے مختار کر دو۔ زبیر رضی اللہ عنہ نے کہا میں نے تو علی رضی اللہ عنہ کو اختیار دیا۔ طلحہ رضی اللہ عنہ نے کہا میں نے عثمان رضی اللہ عنہ کو اختیار دیا سعد رضی اللہ عنہ نے کہا میں نے عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کو اختیار دیا۔ (خیر چھ کے تین رہ گئے) عبدالرحمٰن بن عوف نے کہا علی رضی اللہ عنہ اور عثمان رضی اللہ عنہ تم دونوں میں سے جو کوئی خلافت کا طالب نہ ہو، ہم اسی کو خلیفہ بنائیں گے۔ اللہ اور اسلام گواہ رہے میں اسی کو تجویز کروں گا جو میرے نزدیک افضل ہے۔ یہ سنتے ہی عثمان رضی اللہ عنہ اور علی رضی اللہ عنہ خاموش ہو گئے عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے پوچھا تم دونوں مجھ کو مختار کرتے ہو قسم خدا کی میں اس کو خلیفہ بنانے میں کوئی کوتاہی نہ کروں گا جو افضل ہے۔ دونوں نے کہا اچھا ہم نے تم کو مختار کیا۔ پہلے انہوں نے ایک کا (علی رضی اللہ عنہ) کا ہاتھ تھاما اور کہنے لگے تم کو تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے قرابت ہے اور تمہارا اسلام بھی پرانا ہے تم خود جانتے ہو اللہ تمہارا نگہبان اگر میں تم کو خلیفہ بناؤں گا تو تم عدل اور انصاف کرو گے اور اگر میں عثمان رضی اللہ عنہ کو خلیفہ بناؤں گا تو تم ان کا حکم سنو گے ان کی بات مانوں گے پھر عثمان رضی اللہ عنہ سے تنہائی کی ان سے بھی یہی گفتگو کی جب دونوں سے اقرار لے چکے تو کہنے لگے عثمان رضی اللہ عنہ اپنا ہاتھ اٹھاؤ عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ نے ان سے بیعت کی حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بھی ان سے

بیعت کی اور سارے مدینے والے گھس پڑے سب نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے بیعت کرلی۔

(بخاری ج:5، ص45تا50 کتاب المناقب قصة البیعت والاتفاق علی عثمان)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے آخری دور میں ایک گروہ کا منظّم ہو جانا

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی زندگی میں ایک گروہ حکومت پر قبضہ کرنے کیلئے منظّم ہو چکا تھا اور وہ قبضہ کرنے کی منصوبہ بندی کر رہے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ان کے بارے میں علم ہو چکا تھا۔ اسی لیے انہوں نے خطبہ دیا کہ ایک گروہ منظّم ہو چکا ہے اور اسلامی حکومت پر قبضہ کرنے کے خواب دیکھ رہا ہے۔ مگر یاد رکھو جو لوگ فتح مکہ کے دن مسلمان ہوئے ان کا اور ان کی اولاد کا اسلامی حکومت میں کوئی حصہ نہیں ہے۔ وہ لوگ کون تھے؟ اس بات پر پردہ ڈالنے کی بہت کوشش کی گئی۔ وہ لوگ کہتے تھے کہ ہم کو بھی خلیفہ کا انتخاب کرنے والا شوریٰ کا رکن بناؤ، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا یہ وہ لوگ ہیں جن کو مار مار کر ہم نے اسلام میں داخل کیا اور اب یہ بنی بنائی حکومت پر قبضہ کا منصوبہ بنا رہے ہیں۔

جس خطرہ کا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اندیشہ تھا وہی انصار رضی اللہ عنہم کے ذہن میں بھی تھا۔ اس لیے انہوں نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے انتخاب کے موقعہ پر یہ کہا تھا کہ قریشی اور انصاری باری باری خلیفہ بننا چاہیے تا کہ ہر خلیفہ محتاط ہو کر کام کرے۔ اگر ان لوگوں کی اولاد کبھی حکومت پر آ گئی جن سے ہم نے جنگیں کیں، تو پھر ہمارا بہت نقصان ہوگا۔ ان کا اندیشہ واقعہ حرہ میں حقیقت بن کر سامنے آ گیا۔ امام ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فتح الباری شرح بخاری ج:12، ص:153 پر لکھتے ہیں:

"جب حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ، حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت ابو عبیدہ ابن الجراح رضی اللہ عنہ، حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کے پاس گئے تو دوران گفتگو حضرت حباب بن المنذر بدری رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور فرمایا کہ ایک امیر تم میں سے ہو اور ایک امیر ہم میں سے ہو، اس خلافت کے بارے میں ہم آپ

سے حسد نہیں کرتے بلکہ ہم کو ڈر ہے کہ وہ لوگ حاکم بن جائیں گے جن کے
باپ اور بھائی ہم نے جنگوں میں قتل کیے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا اگر ایسا ہوا
تو پھر مر جانا بہتر ہے۔"

حضرت علی علیہ السلام اور حضرت حسین علیہ السلام سے لڑنے والوں کے شجرے دیکھو کہ وہ کن کی اولاد ہیں؟ ان کے بڑے کس کس جنگ میں قتل ہوئے اور کس نے قتل کیے؟ پھر یہ واضح ہو کر سامنے آ جائے گا کہ یہ بعد کی بات نہیں بلکہ دیرینہ دشمنی ہے۔ اس کے ساتھ انصار کا واقعہ حرہ میں برباد ہونا بھی سامنے رکھیں تو معلوم ہو جائے گا کہ پرانے بدلے لئے جا رہے ہیں، یزید کو کوئی خبط نہیں تھا بلکہ اس نے اپنے بڑوں کے قتل کا بدلہ لیا۔ سیدنا امام حسین علیہ السلام کا اقدام بھی کڑھی کا وقتی ابال نہیں تھا بلکہ وہ دیکھ رہے تھے کہ یہ لوگ دین کو لگاتار نقصان پہنچاتے چلے آ رہے ہیں۔

اس منظم گروہ کی کچھ کچھ نشاندہی حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بھی کر دی۔ امام ابن اثیر نے 5 جلدوں میں صحابہ رضی اللہ عنہم کے حالات پر کتاب اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابہ لکھی ہے۔ وہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے حالات میں لکھتے ہیں:

"حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسی وقت بتا دیا تھا کہ جب تک اصحاب بدر رضی اللہ عنہم میں سے ایک آدمی بھی زندہ ہے کسی دوسرے کا خلافت میں کوئی حصہ نہیں۔ پھر جب بدر والے ختم ہو جائیں تو جنگ اُحد میں حصہ لینے والوں میں کوئی زندہ ہو تو وہ حکمران بنے گا۔ پھر فرمایا ان کے بعد فلاں کی باری ہوگی۔ جن لوگوں کو فتح مکہ والے دن معافی ملی ان کا اور ان کی اولاد کا حکومت میں کوئی حصہ نہیں۔" (ابن اثیر، اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابہ، ج:4، ص:387-388)

جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو زخمی کر دیا گیا تو آپ نے چھ ممتاز صحابہ کی کمیٹی بنا دی جن سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آخر تک راضی رہے۔ فرمایا:

"میرے بعد یہ چھ آدمی اپنے میں سے کسی کو خلیفہ چن لیں۔ یہ عشرہ مبشرہ

میں سے تھے۔ ساتھ فرمایا مجھے اچھی طرح علم ہے کہ کچھ لوگ اس معاملہ کو درست نہیں سمجھتے۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کو مار مار کر ہم نے اسلام میں داخل کیا۔ اگر انہوں نے اس کمیٹی کو تسلیم نہ کیا اور اپنی حکومت کی کوشش کریں تو اللہ کے دین کے دشمن کافر اور گمراہ ہوں گے۔"

(مسلم شریف کتاب المساجد باب نهی من اکلا ثوماً اوبصلاً)

اس حدیث کی شرح میں علامہ اُبی مالکی رحمۃ اللہ علیہ کے حوالہ سے **فتح الملهم** ج:2، ص261 پر مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

"ان لوگوں کا پتہ چل گیا جب عمرو بن العاص نے کہا اے عمر رضی اللہ عنہ! ہم کو کمیٹی میں شامل کیوں نہیں کیا؟ کیا ہم ان سے کم ہیں؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عمرو بن العاص سے کہا بیٹھ جا! جہاں خدا نے تجھے رکھا ہے۔ میں نے اس کمیٹی میں کسی ایسے شخص کو شامل نہیں کیا جس نے کسی وقت بھی رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مقابلہ میں تلوار اٹھائی۔"

یہی عمرو بن العاص تھے جنہوں نے جنگ صفین میں قرآن اٹھائے، ثالثی میں فیصلہ کیا اور مجمع میں آ کر جھوٹ بول دیا۔

(البدایہ والنہایہ امام ابن کثیر ج:7، ص:282-283 اور طبری ج:4، ص:51)

امیر معاویہ نے جب عمرو بن العاص کو اپنے ساتھ ملانے کے لیے بات چلائی تو عمرو نے کہا علی علیہ السلام تم سے پہلے کا مسلمان ہے۔ میں تم سے کیوں ملوں؟ امیر معاویہ نے کہا علی علیہ السلام تیرا اور میرا مخالف ہے۔ عمرو نے کہا سودا کر! امیر معاویہ نے کہا جب مصر علی علیہ السلام سے چھین لیں گے تو تاحیات اس کی آمدن تجھے ملے گی اور وہاں تم گورنر ہو گے۔ اس طرح عمرو بن العاص نے دین بیچ دیا اور حضرت علی علیہ السلام کے گورنر مصر کو قتل کر کے حکومت خود سنبھال لی اور وہاں کا خراج ساری زندگی کھایا۔

(سیر اعلام النبلا ج:4، ص:38 امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ اور اخبار الطوال ابو حنیفہ دنیوری ص:168)

علامہ لکھتے ہیں:

''وہ گروہ کون سا تھا؟ وہ لوگ تھے جو کہتے تھے کہ خلافت اور جس کو چاہے ملے، مگر حضور علیہ السلام کے گھر میں نہ جائے۔ نبوت اور خلافت اگر ایک گھر میں جمع ہو گئیں تو پھر لوگ انہی کو خلیفہ بناتے رہیں گے، ہماری باری کب آئے گی؟ وہ لوگ اہل بیتؑ کی خلافت کا انکار کرتے تھے۔ وہی لوگ حضرت علی علیہ السلام کی خلافت میں ننگے ہو کر سامنے آ گئے۔''

علامہ لکھتے ہیں:

''ایک دن حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے کہا تیرا باپ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا چچا تھا اور تم بھی چچا زاد ہو، لوگ تم کو خلیفہ کیوں نہیں بننے دیتے؟ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے کہا میں نہیں جانتا! حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا میں جانتا ہوں۔ ان قریشیوں کو یہ بات پسند نہیں کہ نبوت بھی تم میں اور خلافت بھی تمہارے خاندان میں آ جائے۔ یہ کہتے ہیں اگر نبوت و خلافت دونوں ہاشمیوں کے پاس چلی گئیں تو ہمارے پاس کیا رہ جائے گا؟''

جب کمیٹی میں خلیفہ کا فیصلہ ہونے والا تھا تو اس وقت عبداللہ بن سعد بن ابی سرح، جو مرتد رہ چکا تھا، اور ولید بن عقبہ جو نص قرآن سے فاسق ہے، کھل کر سامنے آ گئے اور کہا اے عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ! اگر عثمان رضی اللہ عنہ کو خلیفہ بناؤ گے تو ہم قریش ساتھ دیں گے ورنہ ہم اختلاف کریں گے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا تھا اگر وہ لوگ پھر بھی حکومت کیلئے کوشش کریں تو وہ گمراہ، بے دین اور اللہ کے دشمن ہوں گے۔ وہ دین بدل دیں گے۔ واقعی ان لوگوں نے جب حکومت چھینی تو انہوں نے صرف حکومت نہیں سنبھالی بلکہ دین بدل دیا، انہوں نے حج بدلا، زکوٰۃ بدلی، نمازیں بدل دیں، حج تمتع کرنے والے کو کوڑے مارتے، عید کی نماز کی اذان شروع کر دی اور خطبہ پہلے شروع کر دیا، پہلے اللہ اکبر کے بعد نماز کے باقی اللہ اکبر کہنے چھوڑ

دیئے، دین کی ایک ایک بات انہوں نے بدل دی، یہ حالات تھے جن میں امام حسین رضی اللہ عنہ نے اقدام کیا۔

امام ابن حجر فتح الباری ج:12، ص:147 پر لکھتے ہیں:

''حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا خدشہ درست ثابت ہوا اور حضرت علی علیہ السلام کے بعد واقعی ایسا ہی ہوا۔امام ابن حجر فتح الباری ج:13 حدیث نمبر 7096 کتاب الفتن باب الفتنه کا الموج البحر کے بیان میں لکھتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی زندگی میں ہی حکومت پر قبضہ کا منصوبہ بن چکا تھا۔''

قصۃ الشّوریٰ

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جو کمیٹی بنائی اس قصہ میں لوگوں نے اتنی ملاوٹ کردی کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر بہت اعتراضات وارد ہوتے ہیں۔شیعہ حضرات کہتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کمیٹی بنا کر بہت بڑی سازش کی۔اپنے بیٹے کو بطور مبصر اور ثالث بنا کر بٹھا دیا۔اور یہ کہ تین دن کے اندر اندر فیصلہ نہ ہوا اور تین تین ووٹ برابر ہوں تو جس کے حق میں عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کا ووٹ ہو، وہ خلیفہ مقرر ہوگا۔اگر باقی نہ مانیں تو اختلاف کرنے والوں کے سر قلم کردو۔مزید یہ کہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ، کے بہنوئی تھے اور حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ ان کے ہم خاندان تھے۔حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حق میں صرف ایک ووٹ تھا۔وہ حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کا تھا۔اس طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کوشش کی کہ حضرت علی علیہ السلام خلیفہ نہ بن پائیں۔

خدا گواہ ہے، ان باتوں میں ذرا سچائی نہیں ہے، نہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کو ویٹو کا اختیار دیا کہ وہ جو چاہے فیصلہ کرے اور نہ باقی اختلاف کرنے والوں کے قتل کا حکم دیا۔

امام محمد ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب ''تاریخ الامم و الملوك ''میں ان باتوں کی جو سند لکھی ہے۔اس کے مطابق ان سب باتوں کا راوی علی بن محمد المدائنی ہے۔علامہ

عبداللہ مامقانی شیعہ عالم کی کتاب تنقیح المقال فی علم الرجال ہے، جس میں راویوں کے حالات لکھے ہیں اور ان کے سچے، جھوٹے ہونے کا بتایا ہے۔ اس کتاب میں نمبر 8510 پر اس علی بن محمد المدائنی کا حال لکھا ہے کہ یہ ضعیف ہے۔

ایک اور بات شوریٰ کے بارے میں یہ بیان کی جاتی ہے کہ جب اجلاس شروع ہوا تو وہاں بہت جھگڑا ہوا اور ایک حدیث المناشدہ کئی صفحوں کی بنالی، اس میں بتایا گیا ہے کہ حضرت علی علیہ السلام نے وہاں تقریر کی کہ یہ میرے ساتھ زیادتی ہے اور یہ کہ میں نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو پہلے ہی بتادیا تھا کہ حکومت ہمیں نہیں ملے گی کیونکہ شوریٰ میں رشتہ دار اکٹھے ہیں اور حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ میرے خلاف ہیں۔

اس روایت کو ابو طالب طبرسی شیعہ عالم نے اپنی کتاب ''الاحتجاج'' میں لکھا ہے، یہ اس کتاب میں ص: 72، سے ص: 76 تک لکھی ہے، جس میں بتایا کہ شوریٰ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے فضائل کا اقرار کرایا، یہ روایت شروع ہی عمرو بن شمر سے ہوتی ہے۔ علامہ مامقانی شیعہ عالم نے نمبر 8714 پر اس عمرو بن شمر بن یزید ابو عبداللہ الجعفی الکوفی کے بارے میں لکھا ہے کہ ضعیف ہے۔

اس قصہ مناشدہ کے بارے میں سنی امام ابو عبداللہ محمد بن احمد بن عثمان الذہبی رحمۃ اللہ علیہ محک الرجال (راویوں کی کسوٹی) نے بھی اس قصہ کو لکھا۔ انہوں نے مختصر لکھا مگر لکھا ہے۔ اور میزان الاعتدال ج:1، نمبر شمار 1643 پر الحارث بن محمد عن ابو طفیل کو مجھول لکھا ہے۔

یہ پہلا آدمی ہے جس سے یہ قصہ سنیوں کی کتاب میں شروع ہوتا ہے۔ اس کو شیعہ عالم نے ضعیف لکھا ہے۔ دوسرا راوی زافر بن سلیمان ہے۔ تنقیح المقال میں اس زافر بن سلیمان کو امام ذہبی نے میزان الاعتدال، ج:2 ص 63، نمبر شمار 2819 پر ضعیف لکھا ہے۔ اسی راوی کو تنقیح المقال میں نمبر 4186 پر علامہ عبداللہ مامقانی نے امامی مجھول لکھا ہے۔

امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ حدیث مناشدہ خبر منکر یعنی غلط ہے۔

شوریٰ میں حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے کہا کوئی ہے جو دوسرے کے حق میں

خلافت سے دستبردار ہو جائے اور وہی باقی دو کا ثالث ہو۔ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حق میں حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے حق میں اور سعد بن ابی وقاص، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کے حق میں دستبردار ہو گئے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور حضرت علی علیہ السلام دونوں خاموش رہے۔ حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ نے کہا میں خلافت سے دستبردار ہوتا ہوں۔ اب میرا حکومت میں کوئی دخل نہیں اور خلیفہ میں چنوں گا۔ مجھ پر اللہ اور اسلام کا عہد ہے کہ میں بغیر کسی رشتہ داری کے لحاظ کے اس کو چنوں گا جس کو امت کے مشورہ سے بہتر پاؤں گا۔" ان کے اس حلف کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور حضرت علی علیہ السلام نے کہا بالکل ٹھیک ہے۔ پھر حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ کئی دن سو نہیں سکے انہوں نے مدینہ کے مرد و عورت اور باہر سے آئے ہوئے قافلوں سے مشورہ کیا، گورنروں سے پوچھا، اکثریت کی رائے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے حق میں تھی۔

تین دن کے بعد انہوں نے اپنے بھانجے حضرت مسور بن مخزمہ رضی اللہ عنہ کو تہجد کے وقت بلایا اور ان سے کہا شوریٰ کے باقی ارکان کو بلاؤ۔ وہ سب تشریف لائے۔ پھر حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے اپنے سر پر وہ پگڑی باندھی جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے سر پر باندھی تھی اور بہت دیر تک آسمان کی طرف منہ کر کے دعا کی۔

اس مقام پر ملاوٹ کرنے والوں نے یہ ملاوٹ کی کہ پھر انہوں نے پہلے حضرت علی علیہ السلام سے کہا۔ ہاتھ نکالو! میں بیعت کرتا ہوں مگر یہ وعدہ کرو کہ تم قرآن وسنت اور ابوبکر رضی اللہ عنہ وعمر رضی اللہ عنہ کے طریقہ کے مطابق حکومت کرو گے۔ انہوں نے انکار کر دیا کہ میں شیخین رضی اللہ عنہم کے طریقہ کا پابند نہیں ہوں گا۔ پھر یہی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے پوچھا تو انہوں نے اقرار کر لیا۔

اب دیکھیں یہ طریقہ شیخین رضی اللہ عنہ کی پابندی والا ٹکڑا ہی کیسا بم ہے۔ اہل حدیث حضرات تو اس سے تقلید کا رد نکال رہے ہیں۔ اور شیعہ کہتے ہیں اگر ابوبکر رضی اللہ عنہ وعمر رضی اللہ عنہ نیک ہوتے تو علی رضی اللہ عنہ ان کی پیروی سے انکار کیوں کرتے؟

فتح الباری میں امام ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے یہ ملاوٹ والا فقرہ لکھ کر اس کے راوی لکھ دیئے اور لکھا کہ سفیان بن وکیع ضعیف ہے۔ (فتح الباری ج:13، ص:197)

امام ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے فتح الباری ج:13، ص:194 پر اصل بات لکھ دی ہے:

''حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے مدینہ کے سب مہاجر و انصار، صحابہ کو بلا لیا، پانچوں فوجی کمانڈروں کو بھی بلا لیا اور مسجد میں اجتماع میں خطبہ پڑھا پھر کہا علی علیہ السلام میں نے سب سے فرداً فرداً پوچھا، لوگ عثمان رضی اللہ عنہ کے برابر کسی کو نہیں سمجھتے، تم ناراض نہ ہونا۔ پھر صرف حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے ہی یہ بات کہی کہ میں تیری بیعت کرتا ہوں اور تم اللہ کے حکم، سنت رسولؐ اور شیخین کے طریقہ کار پر حکومت کرنا۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کے بعد حضرت علی علیہ السلام نے بیعت کی اور پھر باقی مہاجر و انصار صحابہ رضی اللہ عنہم نے اور حاضر فوجی کمانڈروں نے بیعت کی۔''

شوریٰ کے مرحلہ میں کسی سے کوئی بے ایمانی نہیں ہوئی۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر یہ تہمت بھی لگائی جاتی ہے کہ انہوں نے ایک طرف چھ آدمیوں کی کمیٹی بنائی جو سب کے سب عشرہ مبشرہ میں سے تھے اور دوسری طرف ان کے عیب بھی بیان کیے، اگر ان میں عیب تھے تو ان کو شوریٰ میں شامل کیوں کیا؟ اور یہ کہ ان میں وہ عیب واقعی تھے تو پھر وہ خلافت کے اہل ہی نہ تھے۔ یہ کہانی بھی علی بن محمد المدائنی بیان کرتا ہے جو کہ مجہول راوی ہے۔ یہ شیعہ عالم علامہ مامقانی کے نزدیک بھی ضعیف ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان میں سے کس کا کوئی عیب بیان نہیں فرمایا بلکہ ان کی تعریف کی کہ ان سے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس دنیا سے راضی تشریف گئے۔

مستدرک حاکم ج:3، ص:95 پر عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے منسوب ایک روایت درج ہے جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر اعتراض میں حوالہ کے طور پر پیش کی جاتی ہے جب نامزد ممبران شوریٰ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس سے اٹھ کر گئے تو آپ نے کہا میں نے کمیٹی تو بنادی ہے مگر

اللہ اگر ان لوگوں کا بھلا چاہے تو اس گنجے (سیدنا علی علیہ السلام) کو خلیفہ بنالیں۔ یہ ان کو حق پر چلائے گا۔ اس کی گردن پر تلوار بھی رکھ دی جائے تو یہ حق کو نہیں چھوڑ سکتا۔ کاش یہ اس کو خلیفہ بنالیں! ابنِ عمر رضی اللہ عنہ نے کہا اگر آپ سمجھتے ہیں کہ حضرت علی علیہ السلام کو خلیفہ بنانا درست ہے تو آپ خود کیوں نہیں بنادیتے؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا اگر میں بنادوں تو یہ مجھ سے بہتر آدمی یعنی ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کیا۔ اور اگر نہ بناؤں تو یہ بھی مجھ سے بہتر نے کیا یعنی رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کسی کو نامزد نہیں فرمایا۔

اس روایت سے بات اور زیادہ خراب ہوتی نظر آتی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ جانتے ہوئے بھی کہ حق حضرت علی علیہ السلام کا ہے، ان کو نامزد نہیں فرمایا اور کمیٹی بنا کر فساد شروع کرادیا۔

اِس روایت میں عمر مولیٰ عفر ضعیف راوی ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے شوریٰ میں اس وقت زندہ صحابہ عشرہ مبشرہ میں چھ افراد کو کمیٹی میں شامل کیا جن کے نام یہ ہیں۔

1۔ حضرت علی علیہ السلام　　2۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ

3۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ　　4۔ حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ

5۔ حضرت طلحہٰ بن عبیداللہ رضی اللہ عنہ　　6۔ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ

ساتویں فرد حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ جو کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بہنوئی تھے۔ ان کو کمیٹی میں شامل نہ کیا۔ (ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فتح الباری:7،ص:61)

کمیٹی کو یہ تنبیہ بھی فرمادی تھی کہ اگر تم نے اختلاف کیا تو شام سے معاویہ اور یمن سے عبداللہ بن ربیعہ آ کر حکومت پر قبضہ کرلیں گے۔

(الاصابہ ج:4،ص:65 اور ج:3،ص:414)

یہ بھی فرمایا تھا کہ میرے بعد اے لوگو آپس میں گروہ بندی سے بچنا اور اگر تم نے ایسا کیا تو یادرکھو شام میں معاویہ موجود ہے۔ (ابن حجر الاصابہ ج:3،ص:414)

امیر معاویہ کے بارے میں فرمایا:

''اسے شام کا علاقہ سپرد کر کے غلطی کی اگر اس بات کی سمجھ جواب آئی ہے پہلے آ گئی ہوتی تو میں شام کا علاقہ کبھی ابوسفیان کے دونوں بیٹوں کو نہ دیتا۔

(مسلم کی شرح فتح الملھم ج:7،ص:154 شبیر احمد عثمانی)

مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

''یہی لوگ ہیں جو اہل بیت کو حکومت ملنے کے مخالف تھے اور اس کا ثبوت حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی اس بات سے ملتا ہے کہ ہم نے ان کو مار مار کر اسلام میں داخل کیا ہے یعنی وہ شکست کھا کر اسلام میں داخل ہوئے۔''

مولانا لکھتے ہیں یہ مسلم کی ''شرح اکمال اکمال المعلم ''میں علامہ اُبی مالکی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے۔

شوریٰ کے سلسلہ میں ایک اور بات کی وضاحت ضروری ہے کہ ایک طرف تو اسلام میں طلب عہدہ منع ہے اور کسی آدمی کے نا اہل ہونے کے لیے یہی کافی ہے کہ وہ کسی عہدہ کو طلب کرے۔ دوسری طرف جب حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور حضرت علی علیہ السلام سے کہا ہم تین امیدوار خلافت رہ گئے ہیں تو کیا ہم میں سے کوئی دستبردار ہو کر ثالث کا کردار ادا کرنے پر تیار ہے۔ تو اس موقع پر دونوں شیخ چپ رہے۔ اس سے ان دونوں کا طالبِ حکومت ہونا ظاہر ہوتا ہے۔

اس سلسلہ میں یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ بعض دفعہ حالات ایسے ہو جاتے ہیں جب عہدہ طلب کرنا پڑ جاتا ہے جیسا کہ سیدنا یوسف علیہ السلام کے طلب عہدہ کا ذکر سورہ یوسف: 55/12 میں ہے۔ ایک طالب اقتدار وہ ہوتا ہے جو اپنی ذات کیلئے عہدہ طلب کرتا ہے۔ ایسا آدمی حدیث کے مطابق خائن، بددیانت اور نا اہل ہے۔ ایک وہ ہے جو دیکھتا ہے کہ اگر میں جو اہل ہوں، خود کو عہدہ کے لئے پیش نہ کروں تو نا اہل عہد پر بیٹھ جائے گا اور امت برباد ہو جائے گی۔ اس طلب عہدہ میں وہ اپنی ذات کے لیے کچھ نہیں چاہتا۔

حضرت علی علیہ السلام نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی طبیعت کی نرمی اور انتظامی صلاحیت کی کمی کی وجہ سے خود کو بطور امیدوارِ خلافت برقرار رکھا مگر جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قتل کے بعد حالات بہت بگڑ گئے تو حضرت علی علیہ السلام نے خلیفہ بننے سے انکار کیا کہ ان کے خیال میں لوگ عیش و عشرت کے عادی ہو چکے تھے اور ان کا واپس لوٹنا بہت مشکل تھا۔ یہی اندیشہ بعد میں سچ ثابت ہوا۔

دورِ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ

حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں:

لوگ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے خیر کے متعلق دریافت کرتے تھے اور میں شر کے بارے میں پوچھا کرتا، اس ڈر سے کہیں اس میں گرفتار نہ ہو جاؤں۔ میں نے عرض کی یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہم لوگ جاہلیت اور شر میں گرفتار تھے۔ پھر اللہ تعالیٰ یہ خیر (یعنی اسلام) ہم پر لے آیا۔ اب اس بھلائی کے بعد کیا پھر برائی پیدا ہوگی۔ آپ علیہ السلام نے فرمایا ہاں، میں نے پوچھا پھر اس برائی کے بعد بھلائی ہوگی؟ آپ علیہ السلام نے فرمایا ہاں مگر اس میں دھواں ہوگا۔ میں نے عرض کیا دھواں سے کیا مراد ہے؟ آپ علیہ السلام نے فرمایا ایسے لوگ پیدا ہوں گے جو (پورا پورا) میری سنت پر نہیں چلیں گے۔ ان کی کوئی بات اچھی معلوم ہوگی اور کوئی بری، میں نے پوچھا کہ اس بھلائی کے بعد پھر برائی ہوگی؟ آپ علیہ السلام نے فرمایا ہاں اس وقت دوزخ کی طرف بلانے والے دوزخ کے دروازوں پر کھڑے ہوں گے۔ جو کوئی ان کی بات مانے گا اس کو دوزخ میں جھونک دیں گے۔ میں نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کی نشانی تو بیان فرمادیں۔ آپ علیہ السلام نے فرمایا لوگ ہماری جماعت میں سے ہوں گے اور ہماری بولی بولیں گے۔ میں نے عرض کی اگر میں وہ زمانہ پاؤں تو کیا کروں؟ آپ علیہ السلام نے فرمایا مسلمانوں کی جماعت اور امام کے ساتھ رہ، میں نے کہا اگر جماعت اور امام نہ ہو تو؟ فرمایا ان سب گروہوں

سے الگ رہ (جنگل میں دور دراز چلا جا) اگر چہ وہاں ایک درخت کی جڑ مرنے تک چباتا رہے۔ (تو یہ تیرے حق میں بہتر ہے)

(بخاری کتاب الفتن باب کیف الامر ذالم تکن جماعة)

مولانا وحید الزماں خاں رحمۃ اللہ علیہ مترجم بخاری اس کے حاشیہ میں لکھتے ہیں:

''محدثین نے کہا پہلی برائی سے مراد وہ فتنے ہیں جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے بعد پیدا ہوئے اور دوسری بھلائی سے مراد عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کا زمانہ مراد ہے، بعضوں نے کہا پہلی برائی سے مراد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا قتل اور دوسری بھلائی سے حضرت علی علیہ السلام کا زمانہ مراد ہے اور دھویں سے خارجی اور رافضیوں کے پیدا ہونے کی طرف اشارہ ہے اور دوسری برائی سے مراد بنی امیہ کا زمانہ مراد ہے۔''

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور سیرت شیخین

آپ کے انتخاب کا تفصیلی ذکر قصۃ الشوریٰ کے ذیل میں ہو چکا ہے۔ بخاری ''کتاب الاحکام باب کیف یبایع الامام الناس'' میں تفصیلی حدیث میں یہ قصہ مذکور ہے جس میں یہ ذکر بھی ہے کہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے کہا علی رضی اللہ عنہ! برا نہ ماننا اس نے سب لوگوں سے اس معاملہ میں گفتگو کی ہے وہ عثمان رضی اللہ عنہ کو مقدم رکھتے ہیں۔ پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے کہا میں تم سے اللہ کے دین، سنت رسول اور دونوں خلفاء کے طریقہ پر بیعت کرتا ہوں۔ یہ کہہ کر حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی بیعت کر لی اور جتنے مہاجرین و انصار اور فوجوں کے کمانڈر اور عام مسلمان وہاں موجود تھے، انہوں نے بھی بیعت کر لی۔

قرآن و حدیث کے ساتھ ساتھ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے سیرت شیخین پر چلنے کا وعدہ بھی لیا تھا۔ سیرت شیخین کوئی نئی چیز نہیں بلکہ کردار ہے، کریکٹر ہے۔ قرآن وحدیث میں احکام ہیں اور ان پر عمل کر کے ان دونوں اصحاب نے

دکھا دیا۔ ان کو نے اپنایا اور دنیا سے منہ موڑے رکھا۔ مال و دولت کو ہاتھ نہ لگایا۔ اپنے خاندان والوں کو کوئی عہدہ نہ دیا اور نہ ان کو عیاشی کرائی۔ دونوں کی حکومت زہد و تقویٰ کا نمونہ تھی۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اس معیار پر پورے نہ اترے۔ بیت المال خاندان میں تقسیم کرنا شروع کر دیا۔ گورنروں نے ایسی مالی بے ضابطگیاں کیں جو سب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پیٹے پڑ گئیں۔ ان کی تمام فضیلت سر آنکھوں پر مگر نظام حکومت درست نہ رہ سکا۔ خود حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ جنہوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو خلیفہ مقرر کیا تھا۔ انہوں نے بھی ان کی پالیسیوں سے ناراض ہو کر سلام کلام چھوڑ دیا تھا۔ ولید بن عقبہ گورنر نے جب ان سے جا کر گلہ کیا کہ آپ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے بول چال ختم کر دی ہے تو ابن عوف رضی اللہ عنہ نے کہا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے طریقہ کو چھوڑ گئے ہیں۔ جب ولید بن عقبہ نے یہ بات حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو بتائی تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے کہا، عمر رضی اللہ عنہ کی سنت پر نہ وہ چل سکتا ہے نہ میں چل سکتا ہوں۔ اس طرح تسلیم کر لیا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا طریقہ چھوڑ دیا ہے۔

(الفتح الربانی، ج:23،ص:104-105)

اس سلسلہ میں سید قطب شہید رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب اسلام میں عدل اجتماعی پڑھنے کے لائق ہے۔

عوام کی حالت

اس دور میں عوام کی کیا حالت تھی یہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ بن یمان بیان فرماتے ہیں۔

بخاری کتاب ''**الفتن باب اذا قال عند قوم شیئاً ثم خرج فقال بخلافه**'' میں حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے ابو وائل روایت کرتے ہیں:

''انہوں نے کہا آج کل کے منافق ان منافقوں سے بدتر ہیں جو دور نبوی میں تھے۔ وہ تو اپنا نفاق چھپاتے تھے، یہ تو علانیہ نفاق کرتے ہیں۔''

بخاری کتاب ''**الفتن باب اذا بقی فی حثالةٍ من الناس**'' میں زید بن وہب حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں:

انہوں نے کہا ہم سے آپ ﷺ نے دو حدیثیں بیان فرمائیں۔ایک کا ظہور تو دیکھ چکا ہوں اور دوسری کے ظہور کا انتظار کر رہا ہوں۔آپ ﷺ نے فرمایا ایمانداری آدمیوں کے دلوں کی جڑ پر اتاری (یعنی پیدائشی ہے) پھر انہوں نے قرآن سیکھا حدیث سیکھی اور حضور ﷺ نے اس ایمان داری کے اڑ جانے کا حال بیان کیا۔آپ ﷺ نے فرمایا ایسا ہوگا ایک آدمی سو جائے گا۔پھر ایمانداری اس کے دل سے اٹھائی جائے گی۔اس کا نشان ایک کالے داغ کی طرح رہ جائیگا۔پھر سوئے گا تو رہی سہی ایمان داری اٹھائی جائے گی۔اب اس کا نشان ایک ہلکے آبلہ کے نشان کی طرح رہ جائے گا، جیسے تو ایک انگارہ اپنے پاؤں پر پھرائے اور ایک آبلہ پھول جائے، وہ پھولا دکھائی دیتا ہے۔مگر اس کے اندر کچھ نہیں ہوتا اور ایسا ہوگا کہ لوگ خرید و فروخت کریں گے ان میں کوئی ایماندار نہیں ہوگا۔یہاں تک کہ لوگ کہیں گے فلاں قوم یا خاندان میں ایک شخص ایماندار ہے اور کسی کی نسبت کہا جائے گا کہ عقل مند عمدہ بہادر آدمی ہے لیکن اس کے دل میں رائی کے دانے کے برابر بھی ایمان نہ ہوگا۔حذیفہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ مجھ پر ایک ایسا زمانہ گزر چکا ہے جب مجھ کو پرواہ نہ ہوتی تھی، جس سے چاہوں خرید و فروخت کروں۔اگر میں جس سے معاملہ کرتا وہ مسلمان ہوتا تب تو اس کا اسلام اس کو مجبور کرتا وہ بے ایمانی نہ کرسکتا۔اگر عیسائی ہوتا تو اس کے حاکم لوگ اس کو ایمانداری پر مجبور کرتے۔مگر آج کے دور میں کسی سے خرید و فروخت کا معاملہ نہیں کرتا مگر فلاں فلاں آدمیوں سے۔اس کی شرح میں امام ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ دور نبوی اور پہلے دو خلفاء کے بعد امانت کی جگہ خیانت آ گئی۔ (فتح الباری ج:13 ص:38)

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بیعت کی اور اپنے خاندان کو

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ساتھ دینے کی وصیت کی۔"

(فتح الباری ج:13،ص:40)

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے 40دن بعد فوت ہوئے۔

بخاری "کتاب الاذان باب فضل صلاۃ الفجر فی جماعت "میں حضرت ابودرداء صحابی رضی اللہ عنہ جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دور میں فوت ہوئے سے روایت ہے:

"خدا کی قسم سوائے باجماعت نماز کے کوئی کام دور نبوی کا باقی نہیں رہا۔ابن حجر اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں کہ جس دور کے بارے میں ابودرداء رضی اللہ عنہ کے یہ ریمارکس ہیں یہ عثمان رضی اللہ عنہ کے دور کے آخری دنوں کا حال ہے تو میرے دور کا کیا حال ہوگا؟" (فتح الباری ج:2،ص:138)

نماز میں تبدیلی

حضرت مُطرّف بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:

"حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ صحابی نے بصرہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پیچھے نماز پڑھی تو وہ جب سجدے میں جاتے اللہ اکبر کہتے اور جب سجدے سے سر اٹھاتے اللہ اکبر کہتے اور جب دو رکعتیں پڑھ کر اٹھتے ،تکبیر کہتے جب نماز پڑھ چکے تو عمران بن حصین رضی اللہ عنہ نے میرا ہاتھ پکڑا اور کہنے لگے آج اس شخص نے (یعنی حضرت علی علیہ السلام) حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نماز یاد دلادی یا یوں کہا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جیسی نماز پڑھائی۔

(بخاری کتاب الاذان باب اِتمام التکبیر فی الرکوع) و کتاب الصلوٰۃ باب یکبر وھو ینھض من السجدتین)

عکرمہ کہتے ہیں:

"میں نے مکہ میں ایک بوڑھے (ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ) کے پیچھے نماز پڑھی اس نے